www.urduchannel.in

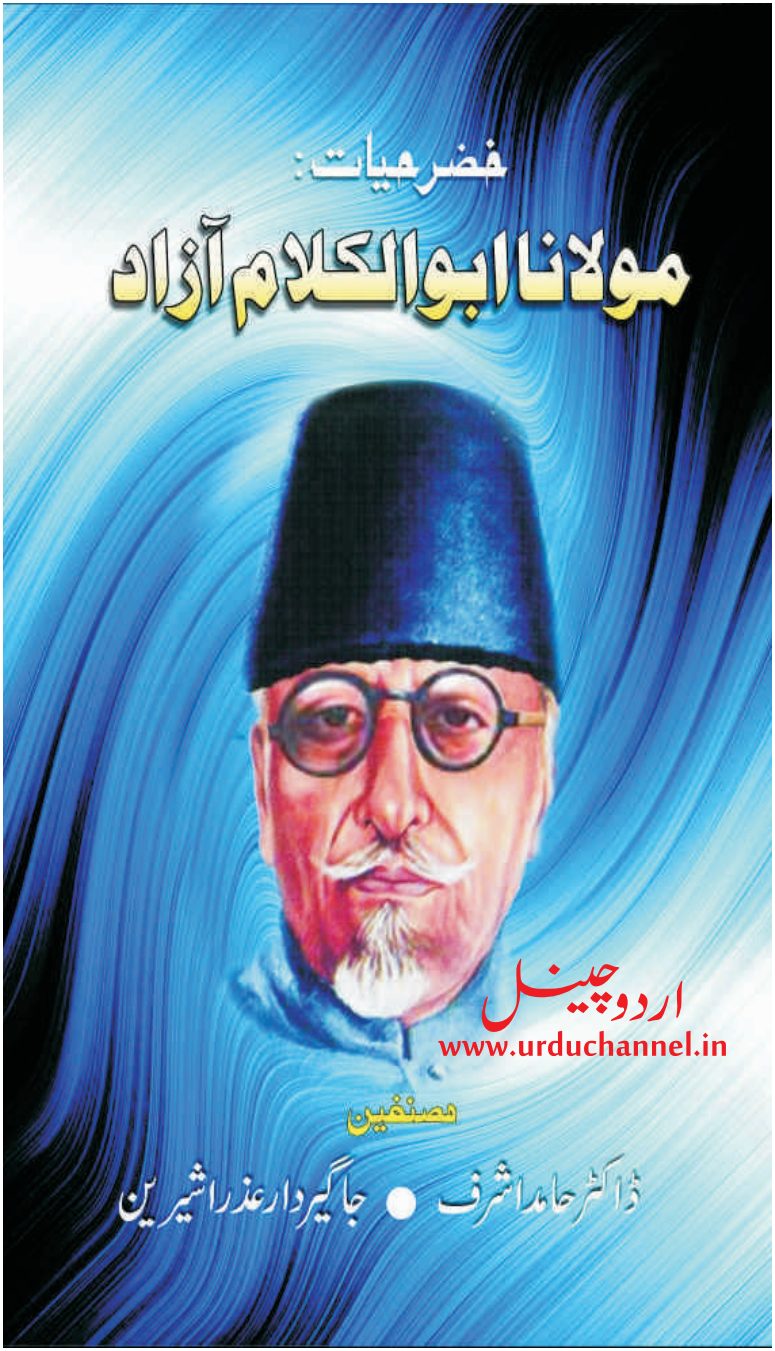

www.urduchannel.in

خضرِ حیات: مولانا ابوالکلام آزاد

مصنفین

ڈاکٹر حامد اشرف • جاگیردار عذرا شیرین

www.urduchannel.in

KHIZAR -E- HAYAAT : MAULANA ABUL KALAM AZAD

By :

Dr. Hamid Ashraf / Jagirdar Azra Shireen

© جملہ حقوق بحق مصنفین محفوظ

کتاب: **خضرِ حیات: مولانا ابوالکلام آزاد**

مصنفین: **ڈاکٹر حامد اشرف**

چیئرمین، بورڈ آف اسٹڈیز اِن اردو، سوامی رامانند تیرتھ مراٹھواڑہ یونیورسٹی، ناندیڑ

پتہ: اسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اُردو (یو جی، پی جی) مہاراشٹرا اودے گری کالج، اودگیر ضلع لاتور۔ Mob:09423351351/07972581878

Email:hamidashraf689@gmail.com

(ڈاکٹر) جاگیردار عذرا شیرین

M.A.Urdu,M.A.English,NET,SET(JRF)

جز وقتی لکچرور ریسرچ اسکالر، شعبۂ اُردو، مہاراشٹرا اودے گری کالج، اودگیر ضلع لاتور

پتہ: بنت ایوب خان جاگیردار، روکڑے ہنومان روڈ، خواجہ پورہ، اودگیر ضلع لاتور

Mob:07721952754

jagirdarazra951@gmail.com

اشاعت: 2018

تعداد: 300

قیمت: -/200

کمپوزنگ: شیخ عائشہ تزئین

ورق: ا ز ر

ISBN: 978-93-88105-29-3

www.urduchannel.in

فہرست

- **تعریض** — مصنفین — 07
- **مولانا آزاد کی سیرت وشخصیت** — 15

  مولانا کا خاندانی پس منظر، تعلیم وتربیت، حلیہ، عادات واطوار، سحر خیزی، مناظر فطرت سے لگاؤ، قوتِ حافظہ، شعروادب سے وابستگی، موسیقی سے دلچسپی، بے مثال خطابت
- **مولانا آزاد کی صحافتی خدمات** — 41

  مولانا کی صحافت، مولانا کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبارورسائل، صحافتی مضامین کی اشاعت
- **مولانا آزاد کی مذہبی، سیاسی اور قومی بصیرت** — 53

  مولانا کی مذہبی فکر، سیاسی بصیرت، تصورِ قومیت
- **غبارِ خاطر کا تنقیدی جائزہ** — 71

  مولانا کی انشاپردازی، انانیت پسندی، چڑیا چڑے کی کہانی، مولانا کا تصورِ حیات

www.urduchannel.in

- **مولانا آزاد کی نثری خدمات** 89

  مولانا کی ابتدائی نثر، کاروان خیال، ترجمان القرآن، تذکرہ
  انڈیا ونس فریڈم، آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی، عنفوان شباب
  کی تصانیف، مولانا کی دیگر تصانیف

- **مولانا آزاد کے تعلیمی نظریات** 103

  مذہبی تعلیم کا نظریہ، سماجی علوم اور فنون لطیفہ، تعلیم نسواں،
  مولانا کی سائنسی بصیرت

- **شناس نامہ** (ڈاکٹر حامد اشرف) 119

- **کوائف** (جاگیردار عذرا شیرین) 123

www.urduchannel.in

انتساب

ان یادگار اور حسین تر لمحات کے نام

جو دوران تحقیق و تخلیق، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات

کا خوشگوار ذریعہ بنتے رہے

ع عمر بھر اک ملاقات چلی جاتی ہے

(میر)

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

تعریض

بڑی شخصیتوں کے خیالات اور فکر و نظر کے دھارے آپس میں کہیں نہ کہیں ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سرسید ہوں کہ محسن الملک، غالب ہوں کہ اقبال، مولانا آزاد ہوں کہ محمد علی جوہر، ان کے افکار عالیہ ملت اسلامیہ کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر چکے ہیں، جس طرح ذہن میں تخیل اور پھولوں میں خوشبو سرایت کرتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی ایک دنیا متوالی ہے۔ قوم کا ایک بڑا طبقہ آج بھی انہی کی طرز پر سوچتا اور لکھتا پڑھتا ہے۔

فن خطابت ہو کہ طرزِ نگارش، الفاظ کی سحر کاری ہو کہ تخیل کی معجز طرازی، ایک انوکھی وضع قطع میں ڈھلا، ذہانت و فطانت، جذبات و حسّیات کی تصویر، شاعرانہ ذوق جمال کی انتہا، بے مثل انشا پرداز، صاحبِ طرز ادیب، میدانِ سیاست کا دُرِ شہوار، صحافت کا مینارۂ نور، مفکر، مدبر، دانشور، خطیب، حصولِ آزادی کی خاطر جن کی زندگی کا آدھا حصہ آہنی سلاخوں کے پیچھے گزرا۔ ''غبارِ خاطر'' کے جھروکے سے جب اہل دنیا نے انہیں دیکھا تو ایک ایک کر کے ان کی سحر انگیز شخصیت کے سبھی قائل ہو گئے، ہاں! وہی نباضِ انسانیت، جن کا نام محی الدین فیروز بخت اور قلمی نام ابوالکلام آزاد تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا شمار ہندوستان کی نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک زیرک عالم اور ہمدردِ قوم تھے۔ ان کے تبحرِ علمی، دور اندیشی اور خداداد صلاحیتوں کے باوصف رفقائے کار ان کی عبقریت کا لوہا مانتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے انہیں ''عجائباتِ روزگار دماغ

www.urduchannel.in

''کہا۔محمد علی جوہر نے انہیں ''ہندوستان میں گمشدہ اسلامی تاریخ کا مورخ' عربی ذہانت اور عجمی فطانت کا شہ پارہ'' بتایا تو رشید احمد صدیقی نے مولانا کو ''علی گڑھ کا دوسرا سرسید'' قرار دیا۔اسی طرح پنڈت موتی لال نہرو نے کہا کہ ''مولانا کے عناصر آگ' پانی' مٹی اور ہوا نہیں بلکہ علم' فکر' فہم اور تدبر ہیں۔'' پنڈت جواہر لال نہرو یوں رطب اللسان ہوتے ہیں کہ ''میں نے مولانا کے علم وفضل سے ہمیشہ استفادہ کیا ہے اور بسا اوقات مولانا کی وسعت فکر ونظر اور علمی تبحر کے سامنے مجھے اپنا علم پانی کا قطرہ نظر آتا ہے۔''

مولانا آزاد ہندوستان کے سیکولر مزاج کی مکمل تصویر تھے۔مذہب' ان کے لیے ''دُکھتی پیٹھ کا سہارا'' تھا۔ان کا خیال تھا کہ دنیا میں جھگڑے فساد اور خون خرابہ اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ صرف اپنے مذہب کو اچھا سمجھتے ہیں' اگر وہ اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے کے مذہب کو بھی بہتر سمجھنے لگیں تو دنیا سے خون خرابہ اور دہشت گردی کا خاتمہ ہو جائے۔

مولانا کا خاندان بہت مذہبی تھا اور آبا واجداد دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ تھے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد کی سیرت میں مذہبی فکر کو اہمیت حاصل ہے۔اسی طرح مولانا کی سیاسی زندگی اور قومی بصیرت بھی اپنی مثال آپ ہے۔سیاسی رہنماؤں میں مولانا' بہت قدآور سیاست داں تھے۔

جہاں تک آپ کی صحافت کا تعلق ہے اس میدان میں وہ ایک بے لاگ صحافی ہی نہیں بلکہ حق وصداقت کے پیکر نظر آتے ہیں۔ابتداء ہی سے مولانا نے وہ صحافتی اسلوبِ نگارش استعمال کیا کہ اس دور کے اکابرین آپ کی تحریروں کے قائل ہو گئے۔خواہ وہ 'لسان الصدق' ہو کہ 'الوکیل' 'الہلال' ہو کہ 'البلاغ' آپ نے میدانِ صحافت میں ایک خاص طرزِ تحریر کی بنیاد ڈالی اور صاحبِ طرز انشا پرداز کہلائے۔ایک ذمے دار صحافی کا رول ادا کیا۔جہاں سماجی اور معاشرتی مسائل پر آپ نے قلم اٹھایا' وہیں سیاسی نشیب وفراز کے موضوعات بھی بہ تفصیل پیش کیے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر شفیع احمد لکھتے ہیں:

www.urduchannel.in

''1912ء میں ''الہلال'' افق کلکتہ سے طلوع ہوا۔ کاغذ اور تصویریں' سب کا معیار اعلیٰ' رنگین سرورق۔ نئی ترکیبیں' نئی تشبیہیں نئے استعارے اور نئے اسلوب' ہر ہفتہ اس ادبی اور علمی ٹیکسال میں ڈھل ڈھل کر باہر نکلتے اور جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ نکلتے ہی سکہّ رائج الوقت بن گئے۔ حالی و شبلی کی سلاست وسادگی سر پیٹتی رہی اور اکبرالہ آبادی اور عبدالحق (بابائے اردو) سب ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے۔''

(الہلال کا اثر' صحافت پر۔ ڈاکٹر شفیع احمد۔ ص 70)

ادب' تعلیم' تہذیب وثقافت پر مولانا کی گہری نظر تھی۔ عالمی تناظر میں مذہب اسلام کی اہمیت و انفرادیت بھی ذہن نشین کروائی۔ قوموں کو اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سمجھائی۔ خودشناسی' خوداعتمادی' قول وفعل میں راستبازی' صبر واستقامت کے ذریعے قوم مسلم کے اذہان کی تربیت کی۔ مولانا کی مذکورہ خدمات کی مہک سے آج بھی گہوارہ علم وادب اور مذہب وصحافت کا ایک ایک صفحہ عطر بیز ہے۔ جس کی ایک ایک سطر سے مولانا کے افکارِ پریشاں' بوئے گل' نالۂ دل اور دود چراغ محفل دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا کی ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ انہیں قوموں کی تاریخ ازبر تھی' ان کا قلم موضوعات کے گہر ہائے آبدار تادم زیست لٹاتا رہا۔ ان کی اپنی ایک علاحدہ ایسی دکان رہی کہ جس کا ساز وسامان بازار میں نہ ملتا ہو۔ جب کہ بازار میں ہمیشہ وہی جنس رکھی جاتی ہے' جس کی مانگ ہوتی ہے۔ مولانا نے اپنے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں رکھی' جس کے لیے سب کے ہاتھ بڑھ سکیں اور دکان لگائی تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگائی' جہاں کم سے کم گاہکوں کا گزر ہو سکے۔ مذہب میں' ادب میں' سیاست میں' فکر ونظر کی راہوں میں جس طرف بھی انہیں نکلنا پڑا' کسی راہ میں بھی وہ وقت کے قافلوں کا ساتھ نہیں دے سکے۔ بقول مولانا حالی:

مال ہے نایاب' پر اکثر گاہک ہیں بے خبر
حالی نے شہر میں لگائی ہے دکاں سب سے الگ

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی افتادِ طبع دوسروں کی عطا کردہ چیزوں پر کبھی قانع نہ ہوئی اور عام شاہراہ پر چلنا کبھی ان کے مزاج کو نہ بھایا۔ لوگ گرمیوں میں پہاڑ پر جاتے ہیں کہ وہاں گرمیوں کا موسم بسر کریں اور مولانا کئی بار جاڑوں میں پہاڑوں پر جاتے ہیں کہ ان کے مزاج کے مطابق وہاں جانے کا موسم یہی ہے۔ لوگوں کو جب قیدِ تنہائی کی سزا دی جاتی ہے تو مولانا حیران رہ جاتے ہیں کہ تنہائی کی حالت آدمی کے لیے سزا کیسے ہوسکتی ہے۔ وہ خلوت پسند تھے۔ صحبت و اجتماع کی جگہ خلوت و تنہائی میں راحت محسوس کرنے کے عادی تھے اس لیے قیدِ تنہائی میں بھی خلوت کو انجمن سمجھ کر سنہری یادوں کی ایک بزم سجا لیتے۔

زندگی کی بہت سی باتوں اور بہت سے کاموں میں ''الٹی چال'' مولانا کے حصے میں آئی تھی وہ کھانے پینے اور ساز و سامان کی تکلیفوں سے اس لیے پریشان نہیں ہوتے کہ وہ جسم کی جگہ دماغ کی زندگی بسر کرتے تھے' وہ چائے کو چائے کے لیے پیتے تھے' جب کہ لوگ دودھ اور شکر کے لیے چائے پیتے ہیں اور مولانا کو دودھ اور دہی سے کوئی رغبت نہ تھی۔ وہ چائے کو'' ذوق لطیف کا شہرستانِ کیف و سرور اور دودھ' دہی کو شکم پروری کی نگری'' سمجھتے تھے۔ یہی نہیں جب ساری دنیا خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہوتی تو وہ وقت مولانا کے جاگنے کا ہوتا تھا۔ لوگ زندگی کو غلطیوں سے پاک بنانا چاہتے ہیں اور کوئی بھی اپنے دامن کو آلودہ کرنا نہیں چاہتا۔ مولانا کو دیکھئے کہ وہ عربی فارسی کے جید عالم اور مفسر قرآن ہونے کے باوجود گرامفون پر موسیقی سنتے ہیں اور چاندنی راتوں میں دریائے جمنا کے کنارے تاج محل کو دیکھ کر وائلن بجاتے ہیں۔ صبح کے چار بجے اٹھنا ان کا معمول تھا۔ خدمت گار نہ ہو تو اپنے دستِ شوق کی کاوجوئیوں کو بروئے کار لاتے اور چائے بناتے۔ چائے کے پہلے گھونٹ سے متصلاً ایک سگریٹ سلگا لیا کرتے۔ چائے کی لطافت اور شیرینی کو تمباکو کی تندی و تلخی سے ترکیب دے کر کیف و سرور کا ایک عجیب ذائقہ حاصل کرتے جسے وہ علت ہائے نافرجام سے تعبیر کرتے' مگر اس بات پر مطمئن نہیں ہوتے کہ زندگی کو غلطیوں سے اکثر معصوم بنایا جائے۔ اس روزگارِ خراب میں زندگی کو زندگی بنائے رکھنے کے لیے وہ غلطیوں کو ضروری سمجھتے

www.urduchannel.in

ہیں۔رہی بات دامن کی آلودگی تو مولانا کہتے ہیں کہ ''یہ ضروری نہیں کہ ہم اس ڈر سے ہمیشہ اپنا دامن سمیٹے رہیں کہ کہیں بھیگ نہ جائے' بھیگتا ہے تو بھیگنے دیجیے' لیکن آپ کے دست و بازو میں یہ طاقت ضرور ہونی چاہیے کہ جب چاہا' اس طرح نچوڑ کے رکھ دیا کہ آلودگی کی ایک بوند بھی باقی نہ رہے۔''

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

مندرجہ بالا تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے اپنی روش عام لوگوں سے ہٹ کر بنائی تھی۔ان کی سوچ اور فکر کا دائرہ ان کا اپنا تھا۔ان کی تحریریں اور ان کی تقاریر' ان کی زندگی ہی میں فسانہ بن گئی تھیں۔علم و ادب اور تعلیمی زندگی سے قطع نظر جب ہم مولانا کو بحیثیت سیاستداں اور صحافی کے طور پر دیکھتے ہیں تو یہاں بھی ان کا قد بہت اونچا نظر آتا ہے۔انہوں نے اپنی زندگی کے چالیس سال کانگریس پارٹی کی نذر کیے تھے۔

مولانا کی سیرت و شخصیت میں حسن و عشق کے دو عظیم پہلو پوشیدہ تھے' اس لیے وہ ایک کامیاب شاعر کے منصبِ عظیم سے بھی عہدہ برآ ہوئے۔مولانا کی انفرادی سوچ اور فکر و نظر کے دلکش اوصاف نے ہمیں مائل بہ آزادیات کیا۔مطالعہ جب سرسری سے تفصیلی' تفصیلی سے تنقیدی' تنقیدی سے تخلیقی و تجزیاتی ہوا تو ہمیں لگا کہ کہیں نہ کہیں مولانا کی ''الٹی چال' کے دھارے بہتے ہوئے ہماری کم ذہنیت کا حصہ ضرور بن گئے ہیں۔ذہنیت کی یہی پرکاری ہمیں بطورِ ورثہ غالب سے بھی ملی تھی' جب انہوں نے کہا تھا'' کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور'' یا پھر'' وہ ہر ایک بات پہ کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا۔اسی لیے ہم نے ابتداً کہا تھا کہ بڑی شخصیتوں کے خیالات اور فکر و نظر کے دھارے آپس میں کہیں نہ کہیں ملتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک دنیا ان کی متوالی ہوتی ہے۔ہمیں بھی قارئین ان کے متوالوں میں شمار فرمائیں۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں کو پڑھ کر سمجھنا اور ان کی شخصیت و فن کا احاطہ کرنا' جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔کیوں کہ مولانا بلا مبالغہ میر تقی میر کے اس شعر کی صداقت معلوم

www.urduchannel.in

ہوتے ہیں:

برسوں لگی رہی ہیں جب مہر و ماہ کی آنکھیں
تب کوئی ہم سا صاحب، صاحب نظر ملے ہے

مولانا کو سیاست داں حضرات کانگریس کا ''شوبوائے'' کہیں یا کچھ اور! ان کی قومی وملی خدمات سے انکار ناممکن ہے۔ ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' ''یونیورسٹی گرانٹس کمیشن' (نئی دہلی) کے علاوہ ملک بھر میں بے شمار' تعلیمی' مذہبی' سماجی' سائنسی اور ٹیکنالوجی اداروں کا قیام مولانا کا رہینِ منت ہے نیز فنونِ لطیفہ' سیاست ارصحافت کے باب میں مولانا کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔ حکومتِ ہند نے انہیں ''بھارت رتن'' کے خطاب سے نوازا ہے۔ 11 رنومبر' جو مولانا کی تاریخ پیدائش ہے' حکومت ہند ''قومی تعلیمی دن'' ہندوستان بھر میں مناتی ہے۔ مولانا آزاد اسکالرشپ دیش بھر میں اعلیٰ تعلیم (ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی) کے خواہشمند طلبہ کو حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ ملک بھر میں بے شمار تعلیمی ادارے' جامعات' میڈیکل کالجس' اسٹیڈیم' باب الداخلے' شاہراہیں' لائبریریز' سڑکیں' ہال اور میوزیم مولانا سے معنون کیے گئے ہیں۔

مولانا کی سیرت' شخصیت' صحافت' انشاپردازی' خطابت اور مذہبی فکر کے علاوہ ان کے تصورِ قومیت وتصورِ حیات سے آگاہی ہر ذی شعور کے لیے لازمی ہے۔ اسی طرح انہوں نے عصری' مذہبی' سیاسی' سماجی اور سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ اور تعلیمِ نسواں کے باب میں کیا باتیں کہی ہیں' ان کی بصیرت افروز اور بلند پایہ تفسیر ترجمان القرآن کی حقیقت اور ضرورت واہمیت وہ اہم موضوعات ہیں' جن کی دنیا کل بھی متلاشی تھی' آج بھی ہے اور کل بھی رہے۔

چناں چہ ہم نے مذکورہ موضوعات کے پیشِ نظر تصنیف ہذا کی اشاعت کو ضروری گردانا۔ نیز یہ ضروری سمجھا کہ مولانا کی شخصیت وسیرت اور ان کے کارہائے نمایاں سے نئی نسل واقف ہو جائے' کیوں کہ جو قوم اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا دیتی ہے وہ درحقیقت اپنی تاریخ

www.urduchannel.in

کی مٹی پلید کرتی ہے اور قومی سرمائے سے تہی داماں ہو جاتی ہے۔

مولانا آزاد کی تصانیف اور فکر و فن پر خامہ فرسائی کی جسارت اس نئ Mutual Understanding اور اخلاص و مروت ہو تو کسی بھی نوعیت کا علمی و ادبی کام سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''ایک سے بھلے دو''۔ امید ہے کہ اہلِ علم ہماری زیرِ دست کاوش کو بہ نظرِ استحسان شرفِ قبولیت عطا کریں گے۔ آمین!!!

ڈاکٹر حامد اشرف ● جاگیردار عذرا شیرین

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی سیرت و شخصیت

ہر عہد میں کچھ لوگ زمانہ ساز رہے ہیں۔ ایسے لوگ خود تاریخ بناتے ہیں، جنہیں یاد نہیں رکھنا پڑتا، بلکہ یاد رہ جاتے ہیں۔ ایسی ہی تاریخ ساز ہستیوں میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام لیا جاتا ہے۔ مولانا آزاد کے آباواجداد کا تعلق پیرومرشدی کے مسلک سے تھا۔ افکار وعقائد کے پابند مولانا آزاد کے والد مولانا خیرالدین عربی و فارسی زبان کے ماہر تھے۔ جن کے بے شمار مریدین کا ہمیشہ تانتا بندھا رہتا۔ وہ چاہتے تھے کہ مولانا بڑے ہوکر انہی کے نقشِ قدم پر چلیں، لیکن مولانا کا ذہن والدِ محترم کے عقائد سے پرے، ذہنی سکون کی تلاش میں تھا۔ مولانا عقل ونظر کی بنیاد پر ہر چیز کو جانچتے اور پرکھتے تھے۔ والدہ محترمہ علومِ عربی و دینیہ کی ماہر تھیں، اسی وجہ سے مولانا آزاد کی عربی و فارسی اور مذہبی علوم میں دلچسپی بڑھی اور حصولِ علم کی چاہت اور مطالعے کی گہرائی و گیرائی نے ان کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے۔ ان کی نگاہِ دور رس اور معاملہ فہمی نے ان کی شخصیت کو اور بھی درخشاں کر دیا۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ بیک وقت شعلہ بیان مقرر، بلند پایہ ادیب، بے باک صحافی، سربکف مجاہدِ آزادی، سیاسی رہنما، مدبر، عالمِ دین اور صاحبِ نظر مفسر قرآن تھے۔ مولانا کو شاعری سے دلچسپی اچھی صحبتوں کی دین تھی، موسیقی سے رغبت اور چائے نوشی کی بکثرت عادت تھی۔ مولانا آزاد کا حافظہ غضب کا تھا جو چیز ایک مرتبہ پڑھ لی، ان کے حافظے میں جمع ہو جاتی تھی۔ حد یہ تھی کہ عبارت کس کتاب سے ماخوذ اور کتاب کے کس صفحے اور کس حصے

www.urduchannel.in

میں ہے، یہ بھی مولانا کو یاد رہتا تھا۔ انہیں مختلف علوم وفنون، طب، فلسفہ، منطق، مذہب، تاریخ، ادب، موسیقی، نفسیات، سائنس وٹیکنالوجی اور جغرافیہ پر کما حقہ واقفیت تھی۔

مولانا آزاد کا خاندانی پس منظر:

مولانا ابوالکلام آزاد کے جدامجد ہرات سے ہندوستان آئے تھے۔ کچھ سال آگرہ میں مقیم رہے پھر دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ مولانا کے بزرگوں میں مولانا جمال الدین عرف شیخ بہلول دہلوی کا ذکر ملتا ہے۔ اُن کے فرزند شیخ محمدؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرید خاص تھے۔ بعض اہل علم حضرات نے مولانا آزاد کے بزرگوں کا وطن قصور (لاہور) بتایا ہے۔ مولانا کے والد مولوی خیر الدین کے نانا مولانا منور الدین کی پیدائش یہاں ہوئی تھی۔ جو سلطنتِ مغلیہ کے آخری رکن المدرسین اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگردِ خاص تھے۔ اُن کی اولاد میں صرف دولڑکیاں تھیں، بڑی لڑکی کی شادی مولانا جمال الدین کے خاندان میں شیخ محمد ہادی سے ہوئی۔ شیخ محمد ہادی نے بہت کم عمر پائی تا ہم اپنے علم وفضل کی بناء پر کافی معروف اور ممتاز رہے۔ ان کی اولادوں میں مولانا خیر الدین کا نام آتا ہے۔ مولانا خیر الدین کی عمر تین یا چار سال کی ہی تھی کہ وہ شفقتِ پدری سے محروم ہوئے۔ اُن کی پرورش اور تعلیم وتربیت نانا مولانا منور الدین کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ مولانا خیر الدین نے نانا کے ساتھ حج بھی کیا اور وہیں حجاز میں دو مشہور عالموں شیخ عبداللہ سراج (مکہ) شیخ محمد ظاہر وتری (مدینہ) سے علمی استفادہ کیا۔ بعد ازآں شیخ محمد ظاہر وتری کی بھانجی بنام عالیہ سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ مولانا خیر الدین کو اللہ پاک نے تین لڑکیوں زینب، فاطمہ، حنیفہ (عرف محمودہ) اور دولڑکوں ابونصر غلام یاسین اور غلام محی الدین احمد (مولانا ابوالکلام آزاد) سے نوازا۔ مولانا کے بڑے بھائی ابونصر غلام یاسین شاعری کے کوچے کے مسافر بنے اور آہؔ تخلص استعمال کیا۔ مولانا کی دو بہنیں فاطمہ اور حنیفہ نے بھی شاعری کی۔ جن کا تخلص بالترتیب آرزوؔ اور آبروؔ تھا۔ مولانا خیر الدین رہائش کے لیے جب مدینہ سے مکہ آئے تو وہاں ایک مکان تعمیر کیا، جہاں سے حرم مکہ کے میناروں اور قندیلوں کا روح پرور منظر نظر آتا تھا اور اذان کی بلند آواز صاف سنائی دیتی تھی۔

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی تعلیم و تربیت:

مولانا آزاد کی ولادت 11 نومبر 1888ء میں ہوئی۔ان کا اصلی نام ابوالکلام غلام محی الدین' تاریخی نام فیروز بخت' لقب ابوالکلام اور تخلص آزاد تھا۔مولانا کا خاندان مذہبی ہونے کے باعث اُن کی تعلیم و تدریس موثر طریقے سے مذہبی و علمی ماحول میں ہوئی۔ابتدائی حصولِ تعلیم میں گردو پیش کے حالات زیادہ کارفرما ہوتے ہیں۔مولانا کے آباو اجداد عقائد و افکار میں اپنا ایک خاص مسلک رکھتے تھے۔یہ روایتی عقائد و افکار بے لچک اور سخت تھے کہ بال برابر بھی ادھر ادھر ہو جاتا تو کفر و زندیق تصور کیا جاتا تھا۔مولانا بچپن ہی سے خاندان کی روایتوں سے واقف تھے۔ان کی ابتدائی تعلیم نہایت قدامت پرست ماحول میں ہوئی۔والدِ محترم نے ان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ ایسے اساتذہ کو دیا تھا' جو انہی کے تربیت یافتہ تھے۔چناں چہ غبارِ خاطر میں مولانا لکھتے ہیں کہ

''مجھے جن اساتذہ سے تحصیل کا اتفاق ہوا وہ بھی وہی تھے'
جنہیں والد مرحوم نے پہلے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیا تھا کہ ان کے
معیارِ عقائد و فکر پر پورے پورے اتر سکتے ہیں۔''

(غبارِ خاطر۔خط 11 صفحہ نمبر 95)

مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی' کیوں کہ کلکتہ کے سرکاری مدرسوں کی تعلیم کو مولانا کے والد وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور مولانا کو کلکتہ سے باہر بھیجنا انہیں گوارا نہیں تھا۔1892ء میں بڑے بھائی ابونصر غلام یاسین کے ساتھ مولانا کی رسم بسم اللہ ہوئی۔اس وقت ان کی عمر چار یا پانچ برس تھی۔فارسی کی تعلیم والد مولانا خیرالدین سے حاصل کی اور ابتدائی تعلیم مکے میں شیخ محمد عمر' شیخ حسین سے مکمل کی۔بعد ازاں مولانا محمد اکبر انوی استاد سے قرآن مجید سیکھا۔عمر کے پندرھویں سال سے مولانا کی طبیعت کا سکون ختم ہوتا گیا' کیوں کہ اُن کے نزدیک علم کی حقیقی دنیا لامحدود وسعتوں کی حامل بن گئی تھی۔وسعتِ نظر کی بدولت ہی وہ دانشور کہلائے اور دانشور کی نظر آئندہ زمانے کے شب و روز دیکھ لیتی ہے۔چناں چہ وہ اپنی نہاں خانۂ دل کی کیفیات یوں رقم کرتے ہیں:

www.urduchannel.in

''چند برسوں کے اندر عقائد و افکار کی وہ تمام بنیادیں' جو خاندان' تعلیم اور گردوپیش نے چنی تھیں۔ بیک دفعہ متزلزل ہو گئیں اور پھر وقت آیا کہ اس ہلتی ہوئی دیوار کو خود اپنے ہاتھوں سے ڈھا کر اس کی جگہ نئی دیواریں چننی پڑیں۔ (غبارِ خاطر۔ خط نمبر 11 ص 100)

اس طرح کچھ دنوں تک مولانا کو طبیعت کی درماندگیاں سہارے دیتی رہیں۔ لیکن جلد ہی یہ فرسودہ دیوار گر گئی۔ مولانا بظاہر پچھلے علمی سرمائے سے تہی دست ہو گئے۔ لیکن اسی نے نئے سرمائے کے حصول کی لگن بھی لگا دی۔ گویا جس علت نے بیمار کیا تھا' وہی بالآخر شفا بھی ثابت ہوئی۔ اب مزید حصولِ علم کی تلاش میں قدم قدم پر ٹھوکروں سے دوچار ہونا پڑا اور کئی رکاوٹوں سے الجھنا پڑا۔ مگر مولانا کی طلبِ صادق نے کہیں رک کر دم لینا گوارا نہیں کیا۔ اسی دشت کی صحرانوردی میں عمر کے چوبیس برس بیت گئے اور پھر مذہب میں' ادب میں' سیاست میں' فکر و نظر کی عام راہوں میں جس طرف بھی قدم بڑھائے انہیں اکیلا ہی نکلنا پڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس تیز رفتاری سے تلووں میں چھالے پڑ گئے۔ لیکن عجب نہیں راہ کے کچھ خس و خاشاک بھی صاف ہو گئے۔ مکے میں مولانا خیر الدین کی ایک حادثے میں ران کی ہڈی ٹوٹنے کے سبب علاج کے لیے 1898ء میں مولانا کلکتہ آ کر قیام پذیر ہوئے۔ یہاں ایک سال بعد 1899ء میں ان کی والدہ محترمہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں تو کلکتہ مولانا کا مستقل مسکن بن گیا۔ مولانا نے ابتدائی صحبتوں میں جن اہلِ قلم سے اکتسابِ علم کیا' ان میں سر سید احمد خان' محمد حسین آزاد' شبلی نعمانی' عبدالحلیم شرر' مولانا الطاف حسین حالی اور ڈپٹی نذیر احمد قابلِ ذکر ہیں۔

تاہل: مولانا آزاد کی شادی 1901ء میں انیس برس کی عمر میں بغداد کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ آفتاب الدین کی پانچویں صاحبزادی زلیخا بیگم سے ہوئی۔ زلیخا بیگم مشرقی ماحول کی پروردہ خاتون تھیں۔ ایثار و انکسار' محبت و مروت' فہم و فراست' صبر و استقلال' وفا شعار جیسے اوصافِ حمیدہ اُن کی شخصیت کا خاصہ تھے۔ وہ فون کا ریسیور اس خیال سے نہ اُٹھاتی تھیں کہ نہ

www.urduchannel.in

جانے دوسری جانب کس غیر محرم کی آواز سنائی دے۔ مولانا کو اپنی رفیقِ حیات سے محبت تھی، لیکن اس محبت کو اپنی سیاسی سرگرمیوں میں غالب ہونے نہیں دیتے تھے۔ زلیخا بیگم بھی خود مولانا کے برتاؤ اور مزاج کے خلاف بات نہ کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں مولانا لکھتے ہیں کہ

''وہ میری طبیعت کے افتاد سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس طرح کے موقعوں پر اگر اس کی طرف سے ذرا بھی اضطرابِ طبع کا اظہار ہوگا تو مجھے سخت ناگوار ہوگا اور عرصے تک اس کی تلخی ہمارے تعلقات میں باقی رہے گی۔'' (غبارِ خاطر۔ خط نمبر 21 صفحہ نمبر 236)

زلیخا بیگم نے اپنے شوہر کی خوشیوں پر قربان ہو کر ایک وفا شعار بیوی کا ثبوت دیا ہے۔ حمیدہ سلطان کے مضمون کے درج ذیل اقتباس یہ اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

''ایک دن صبح جب ہم پہنچے تو بیگم آزاد کی نرگسی آنکھوں میں ڈورے دیکھ کر والدہ نے ان سے مسکرا کر کہا'' کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ آج کل مولانا قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ رات کے دو بجے کے بعد اٹھتے ہیں، جتنی دیر وہ لکھتے ہیں، پنکھا کھینچتی رہتی ہوں۔ موسم بہت گرم ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جاگیں اور محنت کریں اور میں آرام سے سوتی رہوں۔'' (ایوانِ اردو۔ اردو اکاڈمی دہلی۔ ص 145)

زلیخا بیگم کی وفات 1943ء میں اس وقت ہوئی، جب مولانا احمد نگر کے قلعے میں نظر بند تھے۔ لیکن زلیخا بیگم نے اپنی علالت کا ذکر مولانا سے کبھی نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ مولانا کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھیں، یہ علالت کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ انہیں تپ دق ہوگیا۔ تاہم بسترِ مرگ پر مولانا کی کامیابی، کامرانی، طول صحت مندی کے لیے وہ بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز رہتیں۔ ان سے مولانا کو قدرت نے ایک بیٹا عنایت کیا جس کا نام مولانا نے حسین رکھا تھا۔ وہ بے حد حسین و جمیل تھا، لیکن شومئ قدرت کہ وہ بچپن ہی میں مولانا کو داغِ مفارقت دے گیا۔

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کا حلیہ اور عادات واطوار:

مولانا آزاد خوش پوش انسان تھے۔عموماً مشرقی لباس کا ہی استعمال کرتے تھے؛ جس میں مصری، ترکی اور عراقی وضع کے کوٹ، سفید پتلون اور پاؤں میں بوٹ پہنتے تھے۔اونچی کالی ترکی ٹوپی کا اکثر استعمال کرتے۔لیکن مذہبی تقریبوں میں عمامہ باندھتے تھے۔آخری عمر میں زیادہ تر شیروانی کا استعمال کرتے۔انشائیہ نگار خواجہ حسن نظامی نے مولانا کا حُلیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''سروقد، دوہرا بدن، گورا رنگ، ایرانی وضع کی بڑی بڑی آنکھیں، کتابی چہرہ، سفید چھوٹی ڈاڑھی، آواز سریلی اور بلند، مزاج میں تمکنت اور وقار طبیعت میں شوخی وظرافت۔دہلی کے رہنے والے ایک بڑے پیر کی بیٹے ہیں، مگر پیری ومریدی کے زیادہ دلدادہ نہیں ہیں۔قوم سید، پیشہ آزادی اور بے نیازی۔حافظے کی قوت بے مثال، تصور کی طاقت، چیونٹی کی ناک اور چیل کی آنکھ سے بڑی ہوئی۔تقریر وتحریر کے خودمختار بادشاہ، نازک مزاجی میں تاناشاہ، سیاست دانی میں ہندوستان کے ہر ہندو مسلمان سے سوقدم آگے۔بیرونِ ہند کے مسلمانوں میں اور امریکیوں اور انگریزوں میں بھی مقبول ہیں۔ (قلمی فوٹو۔ایوانِ اردو، اردو اکاڈمی دہلی۔ص15)

مولانا کو سحر خیزی کی عادت تھی۔وہ چائے اور سگریٹ کے شدید عادی تھے۔ان کی چائے ملکِ چین سے درآمد ہوتی تھی۔چائے وائٹ جاسمین یعنی سفید چنبیلی پیتے تھے، لیپٹن اور بروک بانڈ چائے بھی مولانا کے زیرِ استعمال رہتی تھی اور وہ چائے خود بنانا پسند کرتے تھے۔مولانا مزاجاً تنہائی پسند تھے، اسی لیے لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ مولانا کو اقتدار کا نشہ چڑھ گیا ہے۔مولانا کی دیوڑھی پر سنگین پہرا رہتا تھا۔کوئی غریب شریف مسلمان یا عام آدمی گھر میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔یہ بات جتنی مشہور ہوئی اتنی ہی غلط ثابت ہوئی۔کیوں کہ مولانا طبعاً کم گو تھے اور لوگوں سے ملاقات کرنے کا ایک وقت معین تھا۔

www.urduchannel.in

مولانا کے قریبی دوست اور سیکریٹری عبدالرزاق ملیح آبادی مولانا کی خوراک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مولانا آزاد وقت کے پابند تھے، علی الصبح پسندیدہ چائے نوش کرتے اور بعد از فجر مرغ کی یخنی کے ساتھ چائے اور بسکٹ لیتے تھے۔تقریباً گیارہ بجے کے بعد غذا میں گوشت اور مکھن کا استعمال کرتے۔سرکہ کا اچار اور کیلا مولانا کو بہت پسند تھا۔مٹھاس سے رغبت نہیں تھی اور چٹورپن سے نفرت تھی۔نہایت سادہ غذا کا استعمال کرتے۔دال اور بھاجی مرغوب تھی۔

مولانا عبادت گزار انسان تھے۔صوم وصلواۃ کے پابند اور مذہبی علوم پر گہری نظر رکھتے تھے۔اُن کا مزاج علماء کی رسمی عادت سے مختلف تھا۔جیل میں پابندی سے نماز پڑھتے۔اس سے متعلق مولانا ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''سحر خیزی کی جو عادت بچپن میں پڑی تھی، وہ داخلِ فطرت ہوگئی۔کچھ ہو چار بجے کے بعد بستر پر لیٹے رہنے میں اذیت محسوس ہونے لگی۔نماز بالکل ایسے بات ہوگئی، جیسے معین اوقات کی غذا۔''

(آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی۔ص418)

مولانا کو قرآن پاک سے عشق تھا اور قرآنی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ہندوستان بھر میں مولانا سے بڑا گفتگو طراز کوئی نہ تھا۔بقول اجمل خان

''جی چاہتا تھا کہ صبح سے شام تک ان کی شیرینیٔ گفتار اور نمکینی ادا سے ذائقۂ سماعت حاصل کرتے رہیں''

مولانا کی گفتگو کا جلال اُن کے خطبات میں، جمال صحافت میں اور خلوص بالمشافہ گفتگو میں دیکھنے کو ملتا تھا۔مولانا کی شخصیت خوش وخرم نظر آتی تھی۔وہ زندگی کو خوش مزاجی سے تعبیر کرتے ہیں۔مولانا زندگی کے ایک فلسفہ کو چینیوں کی زبانی یوں سناتے ہیں کہ

''میں نے فلسفہ زندگی سے متعلق ایک دانشور سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ دانش مند آدمی کون ہے۔جواب ملا، جو سب سے زیادہ خوش رہتا

www.urduchannel.in

ہے۔'' (غبارِ خاطر۔حکایات بادہ وتریاک۔ص 73)

مولانا مختلف افراد کی طبیعتوں کی مناسبت سے نام دیتے تھے۔جیسے جیل کے سپرنٹنڈینٹ سینڈک کو مولانا نے ''چیتا خان'' نام دیا تھا۔جو اتنا مشہور ہوا کہ جیل کے قیدی اور تمام جیلرس اسی نام سے سپرنٹنڈنٹ کو پکارا کرتے۔مولانا ہمیشہ اونچی ترکی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔اس بارے میں جواہر لال نہرو نے اُن سے پوچھا تھا کہ ''اتنی گرمی میں یہ ٹوپی کیسے برداشت کرتے ہیں ''؟ مولانا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''میرے بھائی! یہ تو وضع قطع ہے۔''

سحر خیزی اور مناظر فطرت سے لگاؤ:

مولانا کی شخصیت کا ایک اہم پہلو سحر خیزی اور مناظرِ فطرت سے لگاؤ ہے۔وہ خود لکھتے ہیں کہ:

> ''صبح چار بجے کے وقت گراں مایہ کی کرشمہ سازیوں کی بھی کیا حال ہے۔
> قیام کی حالت ہو یا سفر کی، نہ خوشی کی کلفتیں ہوں یا دل آشوبی کی کاہشیں،
> جسم کی ناتوانیاں ہوں یا دل ودماغ کی افسردگیاں، کوئی حالت ہو لیکن،
> اس وقت کی مسیحائیاں افتادگانِ بسترِ الم سے کبھی تغافل نہیں کرسکتیں۔''
>
> (غبارِ خاطر۔خط 4 ص 11)

مولانا کے والدِ محترم معمول کے مطابق پچھلی پہر بیدار ہوتے۔حتٰی کہ بیماری کی حالت میں بھی یہ معمول جاری وساری رہتا تھا۔مولانا کے والد بیان کرتے تھے کہ رات کو جلد سونا اور صبح جلد اٹھنا زندگی کی سعادت کی پہلی علامت ہے۔چناں چہ مولانا طالبِ علمی کے زمانے سے ہی صبح کے اوقات میں درس لیا کرتے تھے۔مولانا کی تیز رفتار قوتِ حافظہ کے لیے یہی وقت مناسب بھی تھا۔مولانا بیان کرتے ہیں کہ ''یہ فیض مجھے اپنے نانا مولانا منورالدین سے ملا۔وہ بھی شاہ عبدالعزیز سے علی الصبح سبق لیا کرتے تھے۔پچھلی پہر سے اٹھ کر اسی کی تیاری میں لگ جاتے تھے۔''

مولانا اپنی سحر خیزی کے تعلق سے ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

www.urduchannel.in

''میری ابھی دس گیارہ سال کی عمر ہوگی کہ یہ باتیں کام کر گئی تھیں کہ بچپنے کی نیند سر پر سوار رہتی تھی، مگر میں اس سے لڑتا رہتا۔ صبح اندھیرے میں اٹھتا اور شمع دان روشن کر کے اپنا سبق یاد کرتا۔ بہنوں سے منتیں کرتا رہتا کہ صبح آنکھ کھلے تو مجھے جگا دینا۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ نئی شرارت کیا سوجھی ہے۔ اس خیال سے کہ میری صحت کو نقصان نہ پہنچے۔ والد مرحوم روکتے، لیکن مجھے کچھ ایسا شوق پڑ گیا تھا کہ جس دن دیر سے آنکھ کھلتی، دن بھر پشیماں سا رہتا۔'' (ایضاً خط نمبر 7 ص 50)

مولانا نے ''آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی'' میں لکھتے ہیں کہ:

'ٹھیک صبح چار بجے والد مرحوم ہمیں اٹھاتے تھے اور مجال نہ تھی کہ پہلی آواز پر اٹھ نہ بیٹھیں ''جاؤ! وضو کرو'' یہی پہلی آواز تھی، جو روز آنکھ کھول کر ہم سنتے تھے۔'' (ص 417)

مولانا صبح بیدار ہونے کے بعد چائے نوش کرتے پھر اپنی نوکِ قلم سے صفحہ قرطاس پر اپنے افکار اور خیالاتِ پریشاں کو رقم کرتے۔ مولانا کو فطری مناظر سے خاص لگاؤ تھا۔ قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنے والے اشخاص باہر کی دنیا سے بہت کم مانوس ہوتے ہیں۔ جب کہ مولانا قید و بند کی دنیا میں بھی اپنی حس جمال سے کائنات کو دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔ انہیں ہر جا جہان دیگر نظر آتی تھی۔ جیل کی چار دیواری، مختصر سا صحن، وارڈنوں کا پہرہ، برآمدے کا درخت اور اس کی ٹہنیاں، چڑیا اور دیگر پرندوں کی آمد، ان ساری چیزوں میں مولانا حیات کا سامان ڈھونڈ نکالتے تھے اور تخلیقِ فطرت پر جھوم جھوم جاتے تھے۔

''جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں، کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو۔ جہاں

www.urduchannel.in

دوپہر ہر روز چمکے' شفق ہر روز نکھرے' پرند ہر صبح وشام چہکیں 'اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش ومسرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے۔''

(غبارِ خاطر۔خط 9ص69)

ایک مرتبہ مولانا کو گرفتار کر کے نظر بند کرنے کے لیے رانچی لے جایا جا رہا تھا۔جب گھر کے برآمدے سے مولانا جیلر کے ساتھ بذریعہ کار باہر نکلے تو ان کا ذوقِ جمال' مناظر فطرت کو یوں ملاحظہ کرتا ہے۔

''کار باہر نکلی تو صبح مسکرا رہی تھی۔سامنے دیکھا تو سمندر اچھل اچھل کر ناچ رہا تھا نسیمِ صبح کے جھونکے احاطے کی روشنی میں پھرتے ہوئے ملے۔یہ پھولوں کی خوشبو چن چن کر جمع کر رہے تھے اور سمندر کو بھیج رہے تھے کہ اپنی ٹھوکروں سے فضا میں پھیلاتا رہے۔'' (ایضاً خط 5ص 22)

مولانا کی قوتِ حافظہ:

مولانا آزاد کی قوتِ حافظہ بہت زیادہ تھی۔دو سال کے عرصے میں قرآن شریف ختم کیا۔مطالعے کا شوق حد درجہ تھا۔عالم یہ تھا کہ رات کے اوقات میں لحاف کے اندر موم بتی جلا کر کتابیں پڑھتے تھے۔اردو' انگریزی' فرانسیسی زبانیں از خود سیکھیں۔مولانا کی تیز رفتاری کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ دورانِ تعلیم ہم جماعت طلباء کے بجائے اگلی جماعت کے طلباء کے ساتھ اُن کا داخلہ ہوتا تھا اور صرف چودہ برس کی عمر میں وہ درس نظامیہ کی تعلیم سے سبکدوش ہوئے۔ہندوستان میں والدِ مرحوم کے تجویز کردہ استادوں میں مولانا محمد یعقوب دہلوی' مولانا محمد ابراہیم' شمس العلماء مولانا سعادت حسین مولانا محمد شاہ محدث رامپوری وغیرہ اساتذہ مولانا کی تیز رفتاری سے بعض دفعہ جھنجلا جاتے تھے۔ان کے استاد لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ ''یہ چھوٹے حضرت مجھے آج کل' صدرا' سنایا کرتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مجھ سے درس لیتے ہیں۔''

اُن کا عمیق مطالعہ فکر قدیم وجدید علوم وفنون سے آراستہ وپیراستہ تھا۔اردو' فارسی اور

www.urduchannel.in

عربی زبانوں کے شعراء کا بیشتر کلام مولانا کو ازبر تھا۔جس کا ثبوت ہمیں ان کی تصانیف ''غبارِ خاطر'' اور ''تذکرہ'' سے ملتا ہے ۔جو انہوں نے احمد نگر اور رانچی کے قید بند کے زمانے میں تحریر کیے۔مذکورہ تصانیف میں اشخاص' مقام اور زمانہ ہی نہیں بلکہ مولانا نے موضوع کی مناسبت سے جو معلومات تحریر کی ہیں' ان میں پوری تاریخ سمٹ آئی ہے۔جب کہ مولانا کے پاس ان تصانیف کو تحریر کرتے وقت کوئی اور کتاب دوسری نہیں تھی ۔نیز مولانا نے بہ تفصیل جو حواشی اور حوالہ جات پیش کیے ہیں وہ مولانا کے حافظے کی دین ہیں۔اس ضمن میں مولانا لکھتے ہیں کہ

> ''تیس چالیس برس پیشتر کے مطالعے کے نقوش کبھی اچانک اس طرح ابھر آئیں گے کہ معلوم ہوگا ابھی ابھی کتاب دیکھ کر اٹھا ہوں ۔مضمون کی ساتھ کتاب یاد آجاتی ہے۔کتاب کے ساتھ جلد' جلد کے ساتھ صفحہ اور صفحہ کے ساتھ یہ تعین کہ مضمون ابتدائی سطروں میں تھا یا درمیانی سطروں میں' یا آخری سطروں میں۔نیز صفحہ کا رخ دائیں طرف کا تھا یا بائیں طرف کا۔''

(غبارِ خاطر۔مرتبہ مالک رام۔خط نمبر 11۔ص89)

مولانا کے والدِ محترم کا وطیرہ تھا کہ کسی کتاب کو پڑھنے کے دوران وہ متن کو حفظ کر لینا اہم سمجھتے تھے۔مولانا کو یہ عادتِ شریفہ والدِ محترم سے بطور ورثہ ملی تھی ۔انہوں نے قلیل عرصے میں فقہ اکبر' تہذیب' خلاصۂ کیدانی' وغیرہ کے متن کو بھی اسی طرح حفظ کر لیا تھا۔جس وقت ان کے اساتذہ ''میزان ومنشعب'' سے متعلق ان سے سوالات کرتے تو مولانا انہیں مطلوبہ جوابات کے ساتھ منطق کے قضیے بتاتے تو اساتذہ حیران ہوجاتے۔اس سلسلے میں مولانا رقمطراز ہیں کہ:

> ''جہاں تک طبیعت کی سیرت و عادات و خصائل کا تعلق ہے' میں اپنی خاندانی اور نسلی وراثت سے بے خبر نہیں ہوں ۔ہر انسان کی اخلاقی اور معاشرتی صورت کا قالب نسل و خاندان کی مٹی سے بنتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میری عادات و خصائل کی مورتی بھی اسی مٹی سے بنی۔میری عادات وخصائل' چال ڈھال طور طریقہ امیال و اذواق سب کے اندر

www.urduchannel.in

خاندان کا حال صاف صاف دکھائی دے رہا ہے۔ یہ خاندانی زندگی کی روایتیں مجھے میرے ددھیال اور ننھیال دونوں سلسلوں سے ملیں۔''

(غبارِ خاطر۔ خط نمبر 11 صفحہ نمبر 94)

ذیل کے ایک اور اقتباس سے مولانا آزاد کی طبیعت وصحت اور موسموں سے متعلق ان کی پسند اور ناپسند کا معاملہ سامنے آتا ہے۔

''اوائلِ عمر ہی سے میری طبیعت کا اس بارے میں کچھ عجیب حال رہا ہے۔ گرمی کتنی ہی معتدل ہو، مگر مجھے بہت جلد پریشان کر دیتی ہے اور ہمیشہ سرد موسم کا خواستگار رہتا ہوں، موسم کی خنکی میرے لیے زندگی کا اصلی سرمایہ ہے ۔۔ یہ پونجی ختم ہوئی اور گویا زندگی کی ساری کیفیتیں ختم ہو گئیں۔'' (غبارِ خاطر۔ خط نمبر 16 صفحہ نمبر 171)

مولانا کی شعر وادب سے وابستگی:

مولانا نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز دس یا گیارہ برس کی عمر میں کیا۔ شعر گوئی سے ابتداء کی۔ سبب یہ تھا کہ مولانا آزاد کے گھر ملازمہ مغلانی علیمہ کے بھائی عبدالواحد خان کو شعر گوئی سے لگاؤ تھا۔ مولانا اپنا زیادہ وقت اُن کی صحبت میں گزارتے تھے۔ جس کی وجہ سے شعر گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ مولانا، آزاد تخلص استعمال کرتے تھے اور اپنے کلام کو 'ارمغان فرخ' 'نیرنگِ عالم' 'انتخاب' 'سفینۂ نجات' 'صحنِ چمن' 'مخزن' 'الپنچ' وغیرہ میں شائع کرتے تھے۔ 1901ء عیسوی میں حکیم عبدالحمید فرخ نے بمبئی سے 'ارمغانِ فرخ' کے زیرِ عنوان گلدستہ جاری کیا۔ جس میں مولانا آزاد بھی اپنی غزلیں شائع کرنے لگے۔ مولانا کی غزل کا مشہور شعر ملاحظہ ہو:

آزادؔ بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

ابتداء میں مولانا منشی امیر مینائی اور داغ دہلوی سے اصلاحِ شعر کے لیے رجوع ہوئے۔ اسی عہد میں مولانا محمد ظہیر الحسن شوق نیموی جیسے عربی وفارسی ماہر زبان کی تلمیذی اختیار کی اور یہیں

www.urduchannel.in

سے فارسی اشعار سے رغبت بڑھی۔ مولانا دو تین برسوں تک شاعری کی طرف مائل رہے بعد میں اس کوچے سے نکل کر صحافت کی سنگلاخ وادی میں داخل ہوئے۔ جو کچھ مولانا نے شعری سرمایہ بطورِ یادگار چھوڑا اس کا کچھ نمونہ درجِ ذیل ہے:

غزل

کیوں اسیرِ گیسوئے خمدار قاتل ہو گیا
ہائے کیا بیٹھے بٹھائے تجھ کو اے دل ہو گیا
کوئی نالاں، کوئی گریاں کوئی بسمل ہو گیا
اس کے اٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا
قیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب نجد میں
ہر بگولہ دشت کا لیلائے محمل ہو گیا
یہ بھی قیدی ہو گیا، آخر کمندِ زلف کا
لے اسیروں میں ترے آزاد شامل ہو گیا

(خدنگِ نظر۔ لکھنو جون 1899)

www.urduchannel.in

غزل کے متفرق اشعار

پیشِ خدا کھڑے ہیں وہ محشر میں بے نقاب
کیا ہی مزہ ہو اب جو ہماری پکار ہو
کہتا ہے عاشقوں کو ستارے دکھا کے چرخ
سینہ نہ یوں کسی کا کبھی داغ دار ہو
آزاد اُن کی ترچھی نظر سے نہ خوف کر
یہ تیر وہ نہیں جو کلیجے کے پار ہو

رباعیات

کیوں طعنہ خویش و اقربا سہتے ہیں
ہے بات کوئی کہ آپ چپ رہتے ہیں
ہیں کس کے خیال میں جناب آزاد
سنتے ہیں کسی کی اور نہ کچھ کہتے ہیں

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی
اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانے نے رنگ و روپ بدلا ایسا
مئے کش، مے کش رہا نہ ساقی ساقی

قطعہ فی البدیہا

گرچہ ہے وعدہ خلافی مری ثابت تم پر
اور وعدہ میرا پورا کبھی ہوتا ہی نہیں

www.urduchannel.in

پھر جو وعدہ بھی ہو پورا تو یہ شکوہ ہے تمہیں
کہ کبھی وقتِ معین پہ میں آتا ہی نہیں
یعنی فی الجملہ نتیجہ یہ نکالا تم نے
میں گیا' وقت' ہوں جاتا ہوں تو آتا ہی نہیں
وقت کہتے ہو مجھے' سچ ہے مگر یہ تو کہو
پہلے تو وقت میسر کبھی ہوتا ہی نہیں
اور میسر ہو تو پھر قدر کرو قدر کرو
کہ جو جاتا ہے تو پھر حشر تک آتا ہی نہیں
میں تو ہوں ''وقت'' ملو گر تو غنیمت سمجھو
میں بھی سمجھا ہوں تمہیں وقت کہ ملتا ہی نہیں
آؤں گا آٹھ بجے ٹھیک میں انشا اللہ
پھر نہ کہنا مجھے رنجور کہ آتا ہی نہیں

(ارمغانِ آزاد)

مولانا کی شاعری نہ صرف ان گلدستوں سے داد وتحسین حاصل کر چکی تھی بلکہ وہ مشاعرے پڑھتے ہوئے ایک معروف شاعر کے طور پر اپنی پہچان بنا چکے تھے۔1899ء میں ''نیرنگِ عالم'' نامی رسالہ جاری کیا۔آٹھ ماہ تک یہ رسالہ مسلسل نکلتا رہا اور شعر گوئی کا سلسلہ وہیں سے منقطع ہوا۔بعد ازآں ان کی توجہ نثر نگاری کی طرف مائل ہوئی۔ان کے علمی' تحقیقی' معلوماتی اور اصلاحی مضامین کا دائرۂ کار وسیع تر ہوتا گیا اور مختلف اخبارات و رسائل میں برابر شائع ہوتے رہے۔مولانا نے 1900ء میں ''المصباح'' رسالے کا اجراء کیا۔جس میں علمی وادبی' تاریخی و سوانحی مضامین شائع ہوتے تھے۔مولانا کے قلم نے اس رسالے کے لیے حضرت امام غزالی' نیوٹن' مسئلہ کشش ثقل جیسے موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔اسی زمانے میں مولانا نے 'احسن الاخبار' اور

www.urduchannel.in

''خدنگِ نظر''، ''تحفۂ احمدیہ'' وغیرہ کی ادارت کے فرائض انجام دیے اور بے شمار مضامین سپردِ قلم کیے۔ انہوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا' اس کا حق ادا کیا۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے مولانا کی ہر تحریر کو اعلیٰ انشائے کا نمونہ قرار دیا ہے۔

مولانا کی ادبی شخصیت کا اندازہ ان کی مشہور و معروف تصانیف 'غبارِ خاطر' 'تذکرہ' ترجمان القرآن' سے ہوتا ہے۔ غبارِ خاطر مولانا کی اسیری زندگی کے واقعات' مطالعات' مشاہدات' فلسفیانہ افکار اور نجی تاثرات کی عالمانہ اور محققانہ کاوش ہے۔ 'تذکرہ' مولانا کی خودنوشت ہے' جس میں انہوں نے خاندان کے بزرگوں کے حالات و کیفیات کو مدلل انداز میں تحریر کیا ہے۔ نیز اپنی زندگی کے واقعات کو شعریت کے انداز میں اختصار کے ساتھ رقم کیا ہے۔ بحیثیت مفسر قرآن مولانا آزاد کا عظیم کارنامہ ان کی تصنیف ترجمان القرآن ہے۔ یہ تصنیف ان کی مذہبی فکر کی سند ہے۔

موسیقی سے دلچسپی:

مولانا کو فنون لطیفہ سے کافی دلچسپی تھی' اور فنون لطیفہ کا موسیقی ایک اہم جز ہے۔ مولانا آزاد نے فنونِ لطیفہ کی ترقی و ترویج کے لیے مختلف اکاڈمیاں قائم کیں۔ موسیقی سے دلچسپی اس وقت ہوئی' جب انہوں نے کتب فروش خدا بخش کے یہاں فن موسیقی پر مشتمل کتاب ''راگ درپن'' (سیف اللہ خان) کو ملاحظہ کیا۔ اس نسخے کو سیف اللہ خان نے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل مسٹر ڈینس حیرت سے مولانا کو بتاتے ہیں کہ 'ہندوستان میں فنِ موسیقی کا فن بہت ادق ہے' اس کو سمجھنا بہت مشکل ہے' مولانا جواباً کہتے ہیں کہ جو بھی کتاب لکھی جاتی ہے' اسی لیے لکھی جاتی ہے کہ لوگ پڑھیں اور سمجھیں۔ میں بھی اسے پڑھوں گا تو سمجھوں گا۔ چناں چہ مولانا نے یہ کتاب گھر پر پڑھی اور مبادیات کے علم کے لیے والد محترم کے مرید مسیتا خان سے استفادہ کیا۔ مولانا کو موسیقی کے آلات میں ستار بہت پسند تھا۔ جس کی مشق چار پانچ برسوں تک جاری رہی اور یہیں سے مولانا کو موسیقی سے اشتیاق ہوا۔ نیز مولانا کا بچپن بھی حجازی مسجدوں کی

www.urduchannel.in

خوش الحان اذانوں سے آشنا تھا' جسے بعد میں موسیقی کے ماہر اساتذہ کی صحبتوں اور مذاکروں سے جلا ملی۔عراق' مصر' شام کے سفر کے دوران مولانا کو عربی موسیقی سے مزید دلچسپی ہوئی۔مولانا کا یہ ذوق اس قدر بڑھ گیا کہ اذان کی صداؤں کو
موسیقی کے نقشوں میں ڈھال لیتے تھے۔موسیقی سے ان کے غیر معمولی شغف کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہوتا ہے۔

''میں آپ سے ایک بات کہوں' میں نے بارہا اپنی طبیعت کو ٹٹولہ۔میں زندگی کی احتیاجوں میں سے ہر چیز کے بغیر خوش رہ سکتا ہوں' لیکن موسیقی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔آوازِ خوش میرے لیے زندگی کا سہارا' دماغی کاوشوں کا مداوا اور جسم ودل کی ساری بیماریوں کا علاج ہے۔''

(غبارِ خاطر۔ص 258)

دوسری جگہ مولانا اسیری کے دوران موسیقی کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مجھے اگر آپ زندگی کی رہی سہی راحتوں سے محروم کر دینا چاہتے ہیں تو صرف ایک چیز سے محروم کر دیجیے' آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔یہاں احمد نگر کے قید خانے میں اگر کسی چیز کا فقدان مجھے ہر شام محسوس ہوتا ہے' وہ ریڈیو سیٹ کا فقدان ہے۔

لذتِ معصیتِ عشق نہ پوچھ
خلد میں بھی یہ بلا یاد آئی

(ایضاً)

مولانا چاندنی رات میں ستار ہاتھ میں لیے' جمنا ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں اور نگاہیں دنیا کے ساتویں عجوبے ''تاج محل'' کو دیکھ رہی ہیں۔ذوقِ جمال سے بھرپور شخصیت اس نظارے کی روح میں جھانکنے کی سعیٔ لطیف کچھ اس طرح کرتی ہے۔

www.urduchannel.in

''کیا کہوں اور کس طرح کہوں کہ فریبِ تخیل کے کیسے کیسے جلوے انہی آنکھوں کے آگے گزر چکے ہیں۔رات کا سناٹا' ستاروں کی چھاؤں' ڈھلتی ہوئی چاندنی اور اپریل کی بھیگی ہوئی رات ۔چاروں طرف تاج کے مینارے سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ برجیاں دم بخود بیٹھی تھیں ۔بیچ میں چاندنی سے دھلا ہوا مرمریں گنبد اپنی کرسی پر بے حس وحرکت متمکن تھا۔ نیچے جمنا کی روپہلی جدولیں بل کھا کھا کر دوڑ رہی تھیں اور اوپر ستاروں کی ان گنت نگاہیں حیرت کے عالم میں تک رہی تھیں۔نور وظلمت کی اس ملی جلی فضا میں اچانک پردہ ہائے ستار سے نالہ ہائے بے حرف اٹھتے' اور ہوا کی لہروں پر بے روک تیرنے لگتے۔آسمان سے تارے جھڑ رہے تھے اور میری انگلی کے زخموں سے نغمے۔کچھ دیر تک فضا تھمی رہتی' گویا کان لگا کر خاموشی سے سن رہی ہے۔درختوں کی ٹہنیاں کیفیت میں آ کر جھومنے لگتیں۔رات کے سیاہ پردوں کے اندر سے عناصر کی سرگوشیاں صاف صاف سنائی دیتیں۔بارہا تاج کی برجیاں اپنی جگہ سے ہل گئیں اور کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا کہ مینارے اپنے کاندھوں کو جنبش سے نہ روک سکے۔میں نے برجیوں سے باتیں کی ہیں اور جب کبھی تاج کے گنبدِ خاموش کی طرف نظر اٹھائی ہے' تو اس کے لبوں کو ہلتا ہوا پایا ہے۔''

(خط نمبر 24 صفحہ نمبر 259)

بے مثال خطابت:

خطابت دنیا کا سب سے قدیم ذریعۂ ابلاغ ہے۔ظاہر ہے کہ لکھنے کا فن ایجاد ہونے سے پہلے ہی خطاب کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔اسلامی عقیدہ ہے کہ دنیا میں ایک لاکھ پچیس ہزار نبی مبعوث ہوئے۔ان قابلِ احترام ہستیوں کا مقصد بنی نوع انسان کو صراطِ مستقیم کی طرف بلانا

www.urduchannel.in

تھا۔یقیناً انہوں نے بھی رشد و ہدایت کی تلقین خطاب ہی کے ذریعے کی ہوگی۔انہیں اپنا پیغام زبانی گفتگو سے پہنچانا پڑا ہوگا اور افہام وتفہیم کا یہ طریقۂ کار وضاحت طلب رہا ہوگا۔کیوں کہ سامعین کو اپنا ہم خیال بنانا اور کسی رائے یا تجویز پر متفق کرنا آسان کام نہیں۔ہندوستان میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور دکن میں بہادر یار جنگ ایسے نام ہیں جنہوں نے اپنے خطابت کے جوہر دکھائے اور ایک مثال قائم کی۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک بے مثل خطیب کے طور پر ملک بھر میں اپنی شناخت بنائی تھی۔علاوہ ازیں انہوں نے ملک کے سیاسی، سائنسی، تعلیمی، علمی، مذہبی غرض زندگی کے مختلف شعبے جات میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں، تقریر کے فن میں مولانا بچپن ہی سے ماہر تھے۔اس میدان میں قدرت نے اُنہیں بے شمار صفات سے نوازا تھا۔مولانا کا خاندان پیر و مرشدی اور رشد و ہدایت کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔اُن کے والد مولانا خیرالدین مشائخ کے حلقوں میں معروف تھے۔مریدوں کے تزکیے اور تعلیم و تربیت کے لیے اُن کے وعظ بیان ہوتے تو مولانا بچپن ہی سے بغور سنا کرتے۔نیز مولانا کے والدِ محترم کلکتہ کی جامع مسجد میں جمع کا خطبہ دینا ہو تو مولانا کو ساتھ لیے جاتے۔جس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا بچپن ہی سے مقرر بننے کے خواب دیکھنے لگے۔مولانا کے بچپن کے واقعات سے متعلق اُن کی بڑی بہن فرماتی ہیں کہ:

> ''اُن کے کھیل سات آٹھ سال کی عمر میں عجیب ہوا کرتے تھے۔مثلاً وہ کبھی گھر کے تمام صندوقچوں اور بکسوں کو ایک لائن میں رکھ کے کہتے کہ یہ ریل گاڑی ہے۔پھر والد کی پگڑی سر پر باندھ کے بیٹھ جاتے تھے اور ہم بہنوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ چلاّ چلاّ کر کہو ہٹو ہٹو راستہ دو۔دلی کے مولانا آرہے ہیں..... کبھی وہ گھر میں اونچی جگہ پر کھڑے ہو جاتے اور بہنوں سے کہتے۔تم لوگ تالیاں بجاؤ اور سمجھو کہ ہزاروں آدمی جمع ہیں اور میں تقریر کر رہا ہوں اور لوگ میری تقریر سن کے تالیاں بجا رہے ہیں۔''
>
> (مولانا ابوالکلام آزاد۔مرتبہ۔خلیق انجم ص 37)

www.urduchannel.in

پنجابی زبان کی مثل مشہور ہے کہ ''پوت کپوت کے پاؤں پالنے ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔'' بچپن ہی سے ملے علمی ماحول کے سبب مولانا شخصیت ہشت پہلو ہوتی گئی۔انہوں نے ابتدائی دورِ زندگی ہی میں شاعری کی،گلدستوں میں چھپے اُن کے شعری کلام میں بھی پختگی نظر آتی ہے۔دوسرے انہوں نے اوائل عمر ہی سے صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور اس پیشے میں وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے اہلِ قلم اُن کی بے شمار صلاحیتوں کے معترف ہو گئے۔مولانا کی تیسری حیثیت عالم دین کی ہے۔دینی معاملات میں بچپن ہی سے دلچسپی تھی' جو بعد میں ''ترجمان القرآن'' کی تفسیر لکھنے کا سبب بنی۔

اپریل 1914ء میں اخبار'لسان الصدق' کا بلند معیار اور خطیبانہ انداز دیکھ کر ایڈیٹر مولانا آزاد کو انجمن حمایت الاسلام کے ذمے داروں نے تقریر کے لیے مدعو کیا۔مولانا نے جب تقریر کی تو اُن کی کم سنی کے باوجود اُن کی تقریر سے حاضرین متاثر ہوئے' اگلے دن پھر مولانا سے تقریر کی درخواست کی گئی۔

مولانا نے اپنے رسالے ''پیغام'' کے ذریعے شہزادہ ویلز کی ہندوستان آمد پر قوم کو بائیکاٹ کا پیغام دیا۔اس ضمن میں اس رسالے کے ایڈیٹر عبدالرزاق ملیح آبادی کو گرفتار کیا اور دو سال کی سزا سنائی۔اسی ضمن میں مولانا کو بھی ایک سال کی سزا دی گئی۔قید سے رہائی کے بعد 10/ ڈسمبر 1922ء کو مولانا نے اپنا بیان عدالت کو سنایا جو بعد میں ''قولِ فیصل'' کے نام سے شائع ہوا۔جملہ 121 نکات پر مشتمل قولِ فیصل میں مولانا کا خطیبانہ رنگ اور اُن کے مجموعی اوصاف کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔آخری اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''مسٹر مجسٹریٹ! اب میں اور زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا..... ہمارے حصے میں یہ مجرموں کا کٹہرا ہے' تمہارے حصے میں وہ مجسٹریٹ کی کرسی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لیے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز ہے' جس قدر یہ کٹہرا..... مورخ ہمارے انتظار میں اور مستقبل کب سے

www.urduchannel.in

ہماری راہ تک رہا ہے..... زیادہ سے زیادہ سزا جو دی جا سکتی ہے بلا تامل دے دو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم لکھتے ہوئے جس قدر جنبش تمہارے دل میں ہوگی' اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سن کر میرے دل کو نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے۔ وقت اس کا جج ہے' وہ فیصلہ لکھے گا اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔''

(قولِ فیصل۔ ایوانِ اردو۔ اردو اکاڈمی دہلی' ص 396)

خطباتِ آزاد' جسے مالک رام نے مرتب کیا ہے اور ساہتیہ اکاڈمی دہلی نے شائع کیا ہے۔ مولانا کے خطیبانہ انداز کی فقید المثال کتاب ہے۔ مولانا نے ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی اور سیاسی سرگرمیوں سے متعلق جو خطبات دیے ہیں' وہ ملک وملت کا بہترین سرمایہ ہیں۔ اتحادِ اسلامی' جامعہ اسلامیہ' پان اسلامزم' مجلسِ خلافت' جمیعتہ العلماء ہند' انڈین نیشنل کانگریس' آل انڈیا خلافت کانگریس ہندوستانی کمیٹی' بہار' عربی نصاب کمیٹی' روابط بین ایشائی کانفرنس کے علاوہ مسلمانانِ دہلی کا اجتماع اور مہاتما گاندھی کی یادگار جیسے موضوعات پر مولانا کے خطبات مجتمع کیے گئے ہیں۔ تقسیمِ ہند اور دوقومی نظریے سے متعلق مولانا نے دہلی کی جامع مسجد سے یوں خطاب کیا تھا:

''تمہیں یاد ہے۔ میں نے تمہیں پکارا' تم نے میری زبان کاٹ لی۔ میں نے قلم اٹھایا' تم نے میرے ہاتھ قلم کر دیے۔ میں نے چلنا چاہا تم نے میرے پاؤں کاٹ دیے۔ میں نے کروٹ لینی چاہی تم نے میری کمر توڑ دی۔ نتیجہ معلوم کہ آج اُن ہی خطروں نے تمہیں گھیر لیا ہے' جن کا اندیشہ تمہیں صراطِ مستقیم سے دور لے گیا تھا۔''

(خطباتِ آزاد۔ مرتبہ مالک رام۔ ص 337)

مولانا برِ صغیر کی تقسیم اور دوقومی نظریے کے سخت مخالف تھے۔ مسلم لیگ کی قیادت بھی

www.urduchannel.in

مولانا کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ وہ مسلمانانِ ہند میں تبدیلی لانے کے خواہاں تھے۔ وہ ہجرت کو راہِ فرار سمجھتے تھے اور کسی بھی قیمت پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستانی مسلمان بہتر مستقبل کی تمنا میں ہجرت کر جائیں۔ مولانا کے اندیشے درست ثابت ہوئے۔ جن لوگوں نے پاکستان ہجرت کی وہ آج بھی مہاجر سمجھے جاتے ہیں اور انہیں پاکستانی حکومت کی مراعات سے محروم رکھا جاتا ہے۔ مولانا نے انہی خدشات کے پیشِ نظر کہا تھا کہ:

''یہ دیکھو، مسجد کے بلند مینار تم سے اچک کر سوال کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا؟ ابھی کل کی بات ہے کہ جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمہیں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ حالاں کہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔ عزیزو! ستارے ٹوٹ گئے، لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس سے کرنیں مانگ لو اور ان اندھیری راہوں میں بچھا دو، جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے..... اور سمجھ لو کہ اگر تم بھاگنے کے لیے تیار نہیں تو پھر تمہیں کوئی طاقت نہیں بھگا سکتی۔ آؤ عہد کرو کہ یہ ملک ہمارا ہے۔ ہم اس کے لیے ہیں اور اس کی تقدیر کے بنیادی فیصلے ہماری آواز کے بغیر ادھورے ہی رہیں گے۔'' (ایضاً۔ص340)

بحیثیت خطیب مولانا کی صدائیں کبھی بے اثر نہ گئیں۔ دینی مجالس ہوں کہ کانگریسی خطبات۔ بین ایشائی کانفرنس ہو یا اصلاحی کمیٹیاں، ہر جگہ مولانا نے اپنی خطابت کے ہنر سے سامعین کو اپنا ہم خیال بنایا۔ مولانا کے نزدیک قوتِ گویائی وہ نہیں جو زبان سے تعلق رکھتی ہے وہ آواز نہیں جو حلق سے نکلتی ہے، بلکہ اس دنیا میں ایک دوسری خاموش بلاغت اور گویائی بھی ہے۔

''وہ گویائی کہ جس کے لیے کانوں کی ضرورت نہیں ہے کہ کان سنیں بلکہ اس گویائی کو آنکھوں کی ضرورت ہے تاکہ دو آنکھیں مطالعہ کریں۔''

(خطبۂ صدارت 3 مجلس خلافت۔ خطبات آزاد۔ مرتبہ مالک رام۔ص41)

www.urduchannel.in

مولانا اپنی خطابت سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ:

''اس موقع پر میرا فرض ایک خطیب کا فرض نہیں، ایک مقرر کا فرض نہیں، البتہ میرا فرض ایک فریادی اور ماتمی کا فرض ہے، جو آپ کے آگے اس لیے نہیں آیا کہ آپ کو کچھ سنائے ، بلکہ ماتم کرے اور آپ سے امید کرے کہ اگر آپ کی زندگی کے چند لمحے آپ کے معاملات دنیا اجازت دیں تو آپ بھی اس ماتم میں شریک ہوں۔'' (ایضاً ص 42)

مولانا کی تصانیف کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔اُن تمام تصانیف سے قطعِ نظر صرف خطبات ہی کو بنیاد بنایا جائے تو مولانا ہندوستان کے ایک اہم خطیب قرار پاتے ہیں۔خطباتِ آزاد مولانا کے پندرہ مخصوص خطبات کا مجموعہ ہے۔جس کا ہر صفحہ حریت و آزادی کا درس دیتا ہے۔ جس کی ہر سطر قاری کا دامن دل کھینچتی ہے۔مولانا تقریر کے آغاز میں اپنے سامعین کو 'پیارے دوستو' 'میرے عزیزو' 'برادرانِ وطن' جیسے پُر خلوص اندازِ مخاطبت سے ایقان و عمل کی فضا قائم کرتے۔ یہ فضا صرف کلکتہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ آگرہ، دلی، لکھنؤ، کانپور، رام گڑھ، لاہور سے ہوتی ہوئی پورے عالم کے لیے بانگِ درا ثابت ہوتی۔مولانا کا ہر خطبہ مبنی بر حقائق و صداقت کا مظہر ہے، جس کا ثبوت اجلاس جمیعۃ العلماء کے خطبۂ صدارت کے یہ الفاظ ہیں:

''پس راہ کی پہلی آزمائش صبرِ کامل اور طلب صادق ہی کی ہے، جب تک طلبِ یعقوبی حاصل نہ ہو، طلعتِ یوسفی نظر افروز نہیں ہوسکتا۔''

(خطبۂ صدارت، اجلاس جمیعۃ العلماء۔خطباتِ آزاد ص 96)

دوسری عالمی جنگ زوروں پر تھی اور قوم مایوس ہو چکی تھی۔مولانا مایوس دلوں کے بجھتے چراغوں کو امید کی روشنی دیا کرتے تھے۔جدوجہد کے مسافر انگریزوں کے ہاتھوں پٹ رہے تھے، چلتے چلتے اُن کی ہمتیں پست ہو رہی تھیں۔قافلے رکاوٹوں کے باعث پڑاؤ ڈال رہے تھے۔ایسے میں مولانا کی آواز نے صدائے بازگشت کا کام کیا۔

www.urduchannel.in

''پھر یہ جدو جہد بھی ایک ایسا سفر ہے' جس کی بندھی ہوئی منزلیں اور ٹھہرائے ہوئے رسم وراہ ہیں' جس طرح اس کی کامیابیاں عظیم ہیں' اسی طرح رکاوٹیں بھی بے شمار ہیں اور جس طرح اس کی فتح مندی اٹل ہے' اسی طرح اس کی مشکلات بھی ناگزیر ہیں ۔اس میں دماغ کے لیے بھی آزمائش ہے اور دل کے لیے بھی ۔۔اس میں اندر کے طوفان بھی اٹھتے ہیں اور باہر کے سیلاب بھی بہتے ہیں۔اس میں جا بجا ٹھوکریں بھی ہیں اور قدم قدم پر لغزشیں بھی۔اس کا سفر کبھی یکساں رفتار میں جاری نہیں رہ سکتا۔ وہ ہمیشہ رک رک کر چلتا ہے اور تھم تھم کر بڑھتا ہے اور گر گر کر اٹھنا پڑتا ہے اور ٹھوکر کھا کھا کر دوڑنا پڑتا ہے۔''

(اجلاس خصوصی انڈین نیشنل کانگریس۔دلی' خطبات آزاد۔ص 174)

19/فروری 1958ء کو مولانا آزاد سخت علیل ہو گئے ۔ یہ علالت روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ بتدریج مولانا کے جسم کا بایاں حصہ مفلوج ہونے لگا اور دماغ کے ساتھ زبان نے بھی کام کرنے سے انکار کر دیا۔اس دوران غم کی تصویر بنے نہرو بار بار مولانا کا حال دریافت کرنے آجاتے۔نامور سیاستداں ڈاکٹر رادھا کرشنن' مرار جی دیسائی' شری لال بہادر شاستری' بیگم ارونا آصف علی وغیرہ مولانا کے اردگرد جمع ہوئے اور صحت یابی کے لیے دعا گزار ہوئے۔فوری طور پر طبی امداد پہنچائی جاتی رہی۔ڈاکٹروں اور معالجوں نے کوششیں جاری رکھیں' مگر مولانا جانبر نہ ہو سکے اور آخرِ کار 22/فروری 2 بج کر دس منٹ پر ان کی زندگی کی وہ شمع ہمیشہ کے لیے گل ہو گئی' جس سے ملک روشن تھا۔اسی دن سہہ پہر میں لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان واقع تاریخی میدان میں مولانا کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔اس ضمن میں آل احمد سرور لکھتے ہیں کہ

''اس کی زندگی بڑی شاندار اور بھرپور تھی اور اس کی موت بھی بڑی باوقار اور جلیل ہوئی۔وہ ملک وقوم کی خاطر جیا اور اس کی خاطر اس نے جان

www.urduchannel.in

دی۔شروع سے آخر تک وہ وضع دار رہا' ایمان اور عاشقی دونوں کو اس نے
سر بلند کیا' جب تک وہ ہم میں موجود تھا' تو ہمارے پاس کیا کچھ نہیں تھا اور
جب کہ وہ ہم سے جدا ہو گیا ہے تو ہم نے کیا کیا نہیں کھو دیا ہے۔''
(ابوالکلام آزاد کا ذہنی سفر۔ظ۔انصاری۔ص 106۔مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ' دہلی)

حوالہ جاتی کتب:

۱) تذکرہ۔مرتبہ: مالک رام۔ساہتیہ اکاڈمی' دہلی
۲) غبارِ خاطر۔مرتبہ: مالک رام ناشر: کتب خانہ خورشید یہ اردو بازار' لاہور ایڈیشن 2013ء
۳) ایوانِ اردو' دہلی ''مولانا ابوالکلام آزاد نمبر'' اردو اکاڈمی دہلی
۴) ابوالکلام آزاد کا ذہنی سفر۔ظ۔انصاری۔مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ دہلی
۵) آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی: ابوالکلام آزاد۔حالی پبلیشنگ ہاؤس۔دہلی 1958ء
۶) خطبات آزاد۔مرتبہ' مالک رام۔ساہتیہ اردو اکاڈمی' نئی دہلی
۷) مولانا ابوالکلام آزاد: شخصیت اور کارنامے۔مرتبہ خلیق انجم۔اردو اکاڈمی' دہلی 1986ء
۸) ارمغانِ آزاد: مولانا ابوالکلام آزاد۔ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری' مکتبہ رشید یہ' کراچی

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی صحافتی خدمات

صحافت اور سیاست کا تعلق چولی دامن جیسا ہے۔ صحافت عربی زبان کا لفظ ہے' جو 'صحف' سے ماخوذ ہے۔ جس کے لغوی معنی کتاب یا رسالے کے ہیں۔ عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے ہوئے انسانی ارتقاء کی جن منازل کو سر کیا ہے' اُن میں صحافت Journalism کے زیر اثر پرنٹ میڈیا Print Media اور الیکٹرونک میڈیا Electronic Media کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے موضوع کے اعتبار سے صحافت کو تین بڑی قسموں میں بانٹا ہے۔ 1۔ عوامی صحافت۔ 2۔ معیاری صحافت۔ 3۔ زرد صحافت۔ صحافت کا پیشہ مقدس اور حق وصداقت اس کا معیار ہوتا ہے۔ اسی لیے جارج برناڈ شا نے اس کی مختصر تعریف یوں کی ہے۔ ''اعلیٰ ادب ہی صحافت ہے۔'' "All great literature is Journallism" صحافت کی ضرورت واہمیت سے متعلق نپولین بوناپارٹ نے ایک مرتبہ کہا تھا: ''دشمن کی دو ہزار فوج کے مقابل تین اخبار سے زیادہ خوف کھانا چاہیے۔'' فنِ اخبار نویسی سے متعلق مولانا آزاد بھی ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ

> ''اخبار دراصل زندہ ہادی ہے' جو ہر قسم کی باتوں میں ہدایت کرتا ہے.....
> اور یوروپ وامریکہ نے جو آج حیرت انگیز ترقی کی ہے اور علوم وفنون'
> تہذیب وشائستگی میں جو اُن کا آج طوطی بول رہا ہے اُن میں منجملہ اور

www.urduchannel.in

اسبابِ ترقی کے ایک بڑا سبب اخبار دیکھنا ہے۔ جسے اعلیٰ سے لے کر ادنی
تک اور بچے سے لے کر بوڑھے تک روز آنہ ہر ایک دیکھا کرتا ہے اور علمی
وعملی فیوضات حاصل کرتا ہے۔''

(ایوانِ اردو، دہلی۔۔مولانا ابوالکلام آزاد نمبر۔ص 43۔اردو اکاڈمی، دہلی 2014)

مولانا آزاد کی صحافت:

جب کوئی قائد اور رہنما فتح وشکست سے بے پرواہ ہو کر کسی اعلی اور ارفع مقاصد کی خاطر زندگی کی آخری سانس تک کوشاں رہتا ہے تو اس کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جاتی، بلکہ انسانیت کی قیمتی میراث بن کر باقی رہتی ہے۔مولانا آزاد کے سلسلے میں بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ خلاقِ فطرت نے مولانا میں بے شمار صلاحیتیں ودیعت کی تھیں۔ وہ مولانا بھی تھے، ابوالکلام بھی، آزاد بھی محی الدین بھی اور احمد بھی تھے۔ پروفیسر محمد حسن نے مولانا کی بے پایاں اور لامحدود صلاحیتوں کے پیشِ نظر کہا ہے کہ:

''مولانا آزاد کی شخصیت ایک تھی اور حیثیتیں چار
۔وہ عالم دین تھے اور دینی فکر میں ان کا مرتبہ بلند
تھا۔وہ صحافی تھے اور اردو صحافت پر آج بھی اُن
کے لہجے اور اسلوب کے اثرات نمایاں ہیں۔وہ
سیاسی رہنما تھے اور ہندوستان کی تشکیل جدید میں
ان کو نمایاں مقام حاصل ہے اور وہ اردو کے
صاحبِ طرز ادیب تھے، جن کے اسلوب نے
ادب پر دوررس اثرات چھوڑے۔''

(مولانا آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔رشید الدین
خان ص 97)

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی صحافت نے نہ صرف اخلاقی خصلتوں کے چراغ روشن کیے، بلکہ نیک عمل کی راہیں مستنیر کیں۔ قدرت کو سمجھنے، کائنات کو جانچنے، پرکھنے کا ذہن بھی عطا کیا۔ مولانا کا شمار ہندوستان کے جید علماء اور دانشوران قوم میں ہوتا ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مستقبل آتا نہیں، لایا جاتا ہے۔ کیلنڈر کے پنّے بدلنے کا نام مستقبل نہیں۔ مستقبل ایام کا نام نہیں اگر تغیر ہے تو مستقبل ہے۔ مولانا نے صحافت کے ذریعے قوم کی تربیت کی اور یہ بتایا کہ خامیوں کا احساس ذمے داری سے کرو، کیوں کہ ذمے داری کا احساس ہی انسان کی اصلاح کرتا ہے۔ مولانا ایک بے غرض اور قناعت پسند صحافی تھے۔ اس لیے اُن کے نزدیک جانبداری کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی اور انہوں نے صحافت کو کبھی معاش کا ذریعہ نہیں بنایا، 27/جولائی 1912ء کی لکھی ہوئی تحریر (الہلال کا پہلا شمارہ) سے اس کا اندازہ بآسانی ہوتا ہے۔

> ''ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں، بلکہ تلاش زیاں ونقصان کے لیے آئے ہیں۔ صلہ وتحسین کے لیے نہیں بلکہ نفرت و دشنام کے طلبگار ہیں۔ عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش واضطراب کے کانٹے ڈھونڈتے ہیں اور دنیا کے زر وسیم کو قربان کرنے کے لیے نہیں، بلکہ خود اپنے تئیں قربان ہونے کے لیے آئے ہیں..... ہمارے عقیدے میں تو جو اخبار اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی اور رقم لینا جائز رکھتا ہے وہ اخبار نہیں بلکہ اس فن کے لیے دھبہ اور سرتاسر عار ہے۔ ہم اخبار نویسی کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض الٰہی ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں۔ پس اخبار نویس کے قلم کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہیے اور چاندی اور سونے کا سایہ تو اس کے لیے سم قاتل ہے۔'' (الہلال 27/جولائی 1912ء)

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی ادارت میں شائع ہونے والے اخبار و رسائل:

صحافت کی سنگلاخ اور پُر خطر وادی میں مولانا نے عمر عزیز کی (27) ستائیس بہاریں صرف کی ہیں۔ وہ دراصل ایک صحافی کا دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ ابھی نثر کی ابتدائی منزل میں ہی تھے کہ ''المصباح'' جاری کر کے با قاعدہ صحافت کی دنیا میں قدم رکھا۔ مولانا کے ابتدائی حالات پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنی شاعری کی اشاعت میں بہت دلچسپی تھی۔ بمبئی سے شعری گلدستہ ''ارمغانِ فرخ'' میں کلام شائع ہونے پر وہ بہت خوش ہوئے تھے ۔ بعد ازاں اسی نہج پر انہوں نے ''نیرنگِ عالم'' نامی شعری گلدستہ شائع کیا۔ بعد میں مولانا نے ''احسن الاخبار'' سے رشتہ جوڑا۔ یہ اخبار پہلے احمد حسن صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔ مولانا نے اس اخبار کی پوری ذمے داری سنبھالی۔

بعد ازاں مولانا ''ایڈورڈ گزٹ'' (شاہجہاں پور) کے وقتی ایڈیٹر بنائے گئے۔ ایڈیٹر منشی نوبت رائے نے بھی اپنے رسالے ''خدنگِ نظر'' (لکھنو) کے نثری حصے کی ادارت مولانا کو سونپ دی اور ان تجرباتِ صحافت نے مولانا کو ایک با مقصد ماہنامہ نکالنے پر مائل کیا۔ دھن کے پکے، باہمت اور حوصلہ مند مولانا کو جلدی ہی موقع مل گیا اور انہوں نے 20 نومبر 1903ء میں کلکتہ سے ''لسان الصدق'' جاری کیا۔ یہ رسالہ علمی، تاریخی، اخلاقی، سائنٹفک موضوعات پر مشتمل تھا۔ اشاعت کے ساتھ ہی مولانا نے اس کے مقاصد کی وضاحت بھی کر دی۔ (1) سوشل ریفارمر (2) ترقی اردو (3) تنقید (4) علمی مذاق کی اشاعت۔ نومبر 1913ء سے مئی 1906ء تک اس رسالے کے جملہ تیرہ شمارے نکلے۔ اس رسالے سے اردو زبان و ادب کی ترقی ہوئی۔ قارئین میں احساس جاگا اور فکر و نظر میں تبدیلیاں ہوئیں۔

مولانا کی صحافت کا زمانہ 27 برسوں پر محیط ہے، جس کا دائرہ کلکتہ سے لکھنو اور امرتسر تک پھیلا ہوا ہے ''لسان الصدق'' کا اندازِ نگارش دیکھ کر قارئین مولانا آزاد کے گرویدہ ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اس کے مدیر کوئی تجربہ کار بزرگ ہوں گے۔ اسی زمانے میں حالی، شبلی، نذیر احمد جیسے

www.urduchannel.in

معروف شعراء و ادباء موجود تھے۔ مولانا کی صحافتی صلاحیت و قابلیت دیکھ کر شبلی نعمانی نے انہیں لکھنو آنے اور رسالہ ''الندوہ'' سے وابستہ ہونے کی صلاح دی۔ چناں چہ مولانا نے کل چھے ماہ اکتوبر 1905ء سے مارچ 1906ء تک مذکورہ رسالے کے لیے اسسٹنٹ ایڈیٹر کے فرائض انجام دیے۔ جب مولانا کسی سبب سے ''الندوہ'' سے علاحدہ ہو گئے تو شیخ غلام علی ''وکیل'' امرتسر کے مدیر نے اُن سے رابطہ پیدا کیا اور ''وکیل'' کی ادارت کے لیے مولانا کو آمادہ کیا۔ حالانکہ اس اخبار کی ادارت آسان بات نہیں تھی، تاہم مولانا نے آٹھ مہینے اس اخبار کی ادارت سنبھالی اور بڑے بھائی ابوالنصر آہ کے انتقال کی وجہ سے کلکتہ لوٹ گئے اور والدِ محترم کے کہنے پر کلکتہ کے اخبار ''دارلسلطنت'' جو بند ہو گیا تھا، دوبارہ اپنی ادارت میں جاری کیا۔

اس طرح مولانا کا صحافتی سفر جو ''المصباح'' سے 1901ء سے شروع ہوا تھا، اُس کا پہلا مرحلہ ''وکیل'' امرتسر پر ختم ہوا۔ منجملہ آٹھ سال مولانا مذکورہ بالا اخبار و رسائل سے کبھی مدیر تو کبھی نائب مدیر کی حیثیت سے جڑے رہے۔ آٹھ سالہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا نے 13/جولائی 1912ء کو ''الہلال'' (ہفت روزہ) شروع کیا۔ جس نے صحافت کی تاریخ کو نیا موڑ عطا کیا۔ اس اخبار سے مولانا نے مسلمانوں کو ایک نئی زبان میں مخاطب کیا، مسلمان اب تک ''تہذیب الاخلاق'' اور ''اودھ پنچ'' کے اندازِ تخاطب سے واقف تھے۔ ہوا کے اس گرم جھونکے سے اُن کا تعارف پہلی بار ہوا۔ ''الہلال'' کے پہلے شمارے کے ذریعے 13/جولائی 1912ء کو جس شان و شوکت کے ساتھ مولانا نے مخاطب کیا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''آہ کاش! مجھے وہ صورِ قیامت ملتا، جس کو میں لے کر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ جاتا۔ اسی ایک صدائے رعد وعصائے غفلت شکن سے سر گزشتگانِ خوابِ ذلت و رسوائی کو بیدار کرتا اور چیخ چیخ کر پکارتا کہ اٹھو! کیوں کہ بہت سو چکے اور بیدار ہو۔ کیوں کہ تمہارا خدا تمہیں بیدار کرنا چاہتا ہے اور تمہیں موت کی جگہ حیات، زوال کی جگہ عروج اور ذلت کی جگہ

www.urduchannel.in

عزّت بخشا چاہتا ہے۔''

(ایوانِ اردو، دہلی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نمبر۔ص 51 اردو اکاڈمی، دہلی)

''الہلال'' سولہ صفحات پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ جس میں مضامین، اسلامی ممالک سے آئے ہوئے مکاتیب اور شذرات وخبریں سبھی کچھ نرالے انداز سے جگہ پاتے تھے۔ یہ باتصویر جریدہ تھا اور خوبصورت تحریر میں چھپتا تھا۔ مولانا نے یہ اعلان کیا تھا کہ ''ہم اخبار کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ الٰہی ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں۔'' گویا مولانا نے صحافی کو ایک مصلح قوم، قائدِ ملت اور رہنمائے ملک کا منصب عطا کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ہمارے معاشرے کے تمام ذہین اور عبقری انسانوں نے یہی روش اختیار کی اور صحافت کو اپنی زندگی کا مقصد عظیم بنایا اور ملکی وغیر ملکی مسائل کا شعور عوام میں بیدار کیا۔ ہفت روزہ ''الہلال'' میں شبلی نعمانی، علامہ اقبال، مولانا عبداللہ عمادی، مولانا عبدالسلام ندوی، حسرت موہانی اور سید سلیمان ندوی جیسے ممتاز اہلِ قلم لکھتے تھے۔ مولانا شبلی نعمانی کی بعض معرکے کی نظمیں پہلی مرتبہ ''الہلال'' ہی میں شائع ہوئیں اور اس اخبار نے اپنے زمانے میں وہ دھوم مچائی کہ انگریز بوکھلا اٹھے۔

''الہلال'' نے تین برسوں میں مسلمانانِ ہند کی مذہبی وسیاسی حالت میں خوشگوار تبدیلی پیدا کی۔ اس اخبار کی صدائے حق جتنی بلند ہوتی گئی، ایوانِ اقتدار اتنا ہی متزلزل ہوتا گیا۔ کئی مرتبہ اخبار اور مدیر اخبار پر کیس چلایا گیا۔ برطانوی سامراج کے پے در پے حملوں کا مولانا نے بڑی جرأت سے مقابلہ کیا۔ نومبر 1914ء میں جرأت مندانہ اور آزادیٔ اظہار و بے باکی کی پاداش میں جب انگریز حکومت نے دو ہزار روپیوں کی ضمانت مانگی گئی تو چار و ناچار ''الہلال'' کو بند کرنا پڑا، مگر حکومتِ بنگال نے مولانا کو رانچی (بہار) کی جیل میں نظر بند کیا۔ جہاں مولانا نے اپنے دوست مرزا افضل الدین احمد کے اصرار پر سوانح عمری ''تذکرہ'' کے زیرِ عنوان لکھی۔ پانچ مہینوں بعد 12/نومبر 1915ء کو مولانا نے دوسرا ہفتہ وار اخبار ''البلاغ'' جاری کیا۔

www.urduchannel.in

یہاں بھی وہی جذبہ ایمانی تھا اور وہی تلقین کہ مسلمان نا انصافی کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔البتہ ''البلاغ'' کو مولانا نے سیاست کے بجائے تبلیغ ودعوت کا مطمحِ نظر بنایا اور قرآنِ حکیم کی مدد سے بالواسطہ نیم سیاسی خیالات کا اظہار بھی کرنے کا فیصلہ کیا۔مولانا داعیانہ صحافت کے قائل تھے' جس میں سچائی' خلوص اور داعیانہ یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔کسی سودے یا تجارت کی نہیں۔

مولانا نے اپنی تحریروں سے ہزاروں انسانوں کے دل' لاکھوں مسلمانوں کی روحیں' متعدد بڑی بڑی آبادیاں اور بستیاں' مومنین کے عقائد واعمال کی تبدیلیاں صدہائے' کاملین اور عباداللہ مخلصین کی ایمان پرستیاں اوران سے بڑھ کر یہ کہ اعلائے حق کی صدائے دل پذیر کو اپنے قلم وقرطاس کے ذریعے قارئین کے قلوب پر مرتسم کر دیا اور مسلمانوں دین کی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ سیاسی داؤ پیچ سے بھی واقف ہو گئے۔''البلاغ'' کے مقاصد بھی ''الہلال'' کی طرح ولولہ انگیز تھے۔مولانا آزاد تاحیات صحافت کے درج ذیل تین اصولوں پر کاربند رہے۔

(۱) اخبارات سماج کے آئینہ دار ہوں

(۲) اصلاحِ معاشرہ

(۳) جدید ترین علوم وفنون کا فروغ

''البلاغ'' کے لکھنے والوں میں علامہ اقبال' مولانا حسرت موہانی' سید سلیمان ندوی' عبدالسلام ندوی' وسیع بلگرامی' محمد اسماعیل پانی پتی' خواجہ عبدالحئی' شمش اللہ قادری' مصباح الدین وغیرہ شامل تھے۔ادبی لحاظ سے ''الہلال'' کی طرح ''البلاغ'' میں بھی گراں قدر مضامین شائع ہوتے تھے۔ایک نیم مزاحیہ کالم ''افکار وحوادث'' کے عنوان سے شائع ہوتا تھا۔جس سے خالص شاعرانہ نثر اور اعلیٰ درجے کا طنز ومزاح جھلکتا تھا۔مولانا فارسی واردو اور عربی کے اشعار کو نثر میں موتیوں کی طرح پرو دیتے تھے۔اس سے اُن کی عبارت کا حسن ومعنویت دوبالا ہو جاتی تھی۔''الہلال'' اور ''البلاغ'' میں صوری اور معنوی حیثیت میں قطعاً زیادہ فرق نہیں تھا۔لیکن ''البلاغ'' نے تقریباً پانچ مہینے عمر پائی۔اوائل مارچ 1916ء میں حکومتِ بنگال نے ڈیفینس

www.urduchannel.in

آف انڈیا آرڈیننس کے تحت اُن کے صوبے سے اخراج کا حکم جاری کر دیا۔اسی کے ساتھ ''البلاغ'' بھی بند ہو گیا۔اسی دورِ اثناء میں کانگریس اور خلافت تحریک نے ملک کے طول وعرض میں آگ سی لگا رکھی * تھی۔مجلس خلافت کا ایک شاخسانہ ''جمیعت العلماء ہند کی شکل میں وجود میں آیا۔مولانا آزاد بیک وقت ان سب تنظیموں کے فعال کارکن تھے۔جس کی وجہہ سے اُن کی صبح کہیں تو شام کہیں ہوتی تھی۔لیکن اس شدید مصروفیت میں بھی وہ کبھی نہیں بھولے کے جب تک ایک اچھا اخبار پاس نہ ہو' اپنا مافی الضمیر عوام تک پہنچانا مشکل ہے۔لہذا انہوں نے ایک اور ہفتہ وار رسالہ ''پیغام'' کے زیرِعنوان 23 ستمبر 1921ء کو کلکتہ سے شائع کیا۔نگراں مولانا خود تھے اور ترتیب وتزئین کا ذمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے سپرد تھا۔ملکی وسیاسی ذنے داریوں کے بوجھ نے مولانا کو اتنی فرصت نہ دی کہ وہ ''پیغام'' میں تواتر کے ساتھ لکھیں۔

17 نومبر 1921ء کو شہزادہ ویلز کی ہندوستان میں آمد کے بعد ملک گیر بائیکاٹ کیا گیا۔جس میں رسالہ ''پیغام'' کی تحریریں بھی اہم رول ادا کر رہی تھیں۔جس کی وجہہ سے ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولانا ابوکلام آزاد کو گرفتار کیا گیا تو ''پیغام'' ساڑھے تین مہینے کی مدت میں کل تیرہ شماروں پر بند ہو گیا۔اس طرح ہم مولانا کے زمانہ صحافت کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں' ایک وہ جو 'مخزن' 'وکیل' اور 'لسان الصدق' سے تعلق رکھتا ہے' دوسرا دور 'الہلال' کا اور تیسرا 'البلاغ' و 'پیغام' تھا۔دورِ اول خالص علمی تھا' دوسرا سیاسی اور تیسرا مذہبی و اصلاحی۔ان تینوں زمانوں میں انہوں نے جو کچھ لکھا' وہ ان کی انفرادیت وانانیت کا زبردست مظاہرہ تھا۔

مقامِ افسوس ہے کہ اردو صحافت کے میدان میں کسی کو مولانا کی صحافتی روش پر چلنے کی توفیق نہ ہوئی۔وجہہ یہ تھی کہ اُن کے درجۂ کمال اور اُن کے بے مثال اسلوب کو اختیار کرنا کسی کے اختیار میں نہ تھا۔مولانا اپنے دورِ صحافت میں جن ایک درجن سے زائد اخبار ورسائل سے وابستہ رہے۔اُن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

www.urduchannel.in

۱۔	نیرنگِ عالم		کلکتہ	1900ء
۲۔	المصباح		کلکتہ	1901ء
۳۔	احسن الاخبار		کلکتہ	1901ء
۴۔	تحفۂ احمدیہ		کلکتہ	1902
۵۔	لسان الصدق		کلکتہ	1903ء
۶۔	الندوہ		اعظم گڑھ	1905ء
۷۔	وکیل		امرتسر	1906ء
۸۔	دارالسلطنت		کلکتہ	1907
۹۔	وکیل		امرتسر	1907ء (دورِ ثانی)
۱۰۔	الہلال		کلکتہ	1912ء
۱۱۔	البلاغ		کلکتہ	1915ء
۱۲۔	پیغام		کلکتہ	1921ء
۱۳۔	الہلال		کلکتہ	1921 (دورِ ثانی)
۱۴۔	الجامعہ	(عربی)	کلکتہ	1923ء
۱۵۔	پیام		کلکتہ	1925ء

مولانا آزاد کے صحافتی مضامین کی اشاعت:

زبان زندگی کے مقاصد کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے اور زندگی کے مقاصد کا حصول بھی۔ زبان کی اثر پذیری اور متاثر کن کیفیت زبان میں طاقت، مہارت اور قیامت پیدا کرتی ہے۔ مڈلٹن مرے نے اسی کو پر جوش ادّعا Effectiveness of Assertion کہا ہے۔ اچھی نثر کو کوہِ ندا کی وہ آواز کہا جاتا ہے، جس پر قاری لبیک کہہ اُٹھتا ہے۔ اچھی نثر لکھنا الفاظ کی فوج پر فتح پانا ہے اور اسی سے نثر لافانی اور لازوال بن جاتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر سے متعلق یہی کہنا مناسب ہے کہ:

www.urduchannel.in

''معیاری نثر جذبات، تخیل، احساس وادراک، منظر کشی ومحاکات، آہنگ و
استعارہ، تشبیہ، لفظوں کی پیکر تراشی، اصنام کی صورت گری، موسیقی کے جادو،
نغمے کی گت اور سنگ تراشی کے کمال کے مجموعے کا نام ہے۔''

(ڈاکٹر نجیب اختر، دہلی)

جو صحافی اپنا راستہ بنا لیتا ہے اسے منفرد کہلانے کا حق ہوتا ہے۔ مولانا نے بلا شبہ اپنا راستہ خود بنایا ہے۔ اُنہیں یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں، بہت معمولی بات ہوگی۔ اُن کی ہشت پہلو شخصیت انجمن سے آگے کی چیز ہے۔ مولانا سیفِ قلم اور تیغ زبان دونوں ہتھیاروں سے مسلّح ہیں۔ لذت تقریر اور قوتِ تحریر کی یکجائی نے اُن کی صحافت کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جلسہ اُسناد میں اعزازی ڈاکٹریٹ دیتے ہوئے مولانا سے متعلق کہا تھا کہ:

''اردو زبان کو ہمیشہ اس پر فخر رہے گا کہ وہ آپ کی زبان سے بولی اور آپ
کے قلم سے لکھی گئی''۔ (آوازِ دوست۔ مختار مسعود۔ ص 149)

مولانا نے جب ''المصباح'' جاری کیا تو ''عید'' سے متعلق جو مضمون تحریر کیا، اسے بعد میں دوسرے اخبار والوں نے بھی شائع کیا۔ مولانا کو عربی اور غیر ملکی اخبار و رسائل سے گہری دلچسپی تھی۔ اخبار ''احسن الاخبار'' کے لیے اُن کا لکھا ہوا مضمون ''اسلام اور محرم'' تھا، جس کی اشاعت سے ایک ہنگامہ کھڑا ہوا تھا۔ حکیم محمد علی کی ادارت میں ہر دوئی سے ''مرقع عالم'' نامی رسالہ نکلتا تھا۔ جس میں مولانا کے مضامین اہتمام سے شائع ہوا کرتے تھے۔ اس رسالے کے لیے اُن کا ایک مضمون ''علوم جدیدہ اور اسلام'' کے موضوع پر تحریر ہوا تھا۔ جس میں سائنسی مضامین کی خرابیوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ماہنامہ ''مخزن'' لاہور کا ایک معیاری رسالہ تھا۔ جس میں مولانا کی دو نثری تحریریں ''فنِ اخبار نویسی'' اور ''حکیم خاقانی شیروانی'' شائع ہوئی تھیں۔ جب کہ مولانا آزاد بہت کم عمر تھے۔ تاہم مضامین کی گہرائی اور گیرائی نے اہلِ نظر کو مولانا آزاد کی طرف متوجہ کر

www.urduchannel.in

دیا تھا۔فنِ اخبار نویسی پر مولانا کا لکھا ہوا مضمون پہلا مانا جاتا ہے۔

1902ء میں جو مضامین مولانا کے قلم سے منظرِ عام پر آئے اُن میں ہفتہ وار ''الپنچ'' پٹنہ کا بھی نام آتا ہے۔''جشنِ تاجپوشی کا کلکتہ میں مشاعرہ'' اور ''اک بتِ سیمیں سے کر لیا لندن میں عقد'' جیسے مضامین سے اُن کے قومی مزاج اور انگریزوں سے نفرت کے بجائے یگانگت کا اظہار ملتا ہے۔لکھنو سے شائع ہونے والا رسالہ ''خدنگِ نظر'' میں مولانا نے جو مضامین شائع کیے' ان میں ''زمانۂ قدیم میں کبوتروں کی ڈاک''''پنکچویشن''''مبادلہ سنین''''آثارِ قدیمہ''''منارِ خسروگرد''''افغانستان''''ضوغیر مرئی'' جیسے عنوانات ملتے ہیں' جن سے اُن کے مختلف موضوعات سے آگاہی اور تاریخ' جغرافیہ' سائنس اور دوسرے علوم پر دسترس کا اظہار ہوتا ہے۔''لسان الصدق'' میں مولانا نے ''حیاتِ جاوید'' پر ایک مضمون شائع کیا تھا' جو تبصرے کی دنیا میں سب سے طویل اور اہم تبصرہ سمجھا جاتا ہے۔اس تبصرے سے پہلے ''حیاتِ جاوید'' پر شیخ عبدالقادر اور حبیب الرحمٰن شیروانی نے سخت تبصرے تحریر کیے تھے۔جن کا تفصیلی اور مدلل جواب مولانا نے دیا اور کم عمر ہونے کے باوجود مولانا شبلی نعمانی کی مخالفت کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔بعد میں یہی لوگ مولانا کے قریب آئے۔بعد میں علامہ شبلی نعمانی کے رسالے ''الندوہ'' سے جب مولانا وابستہ ہوئے تو ''مسلمانوں کا ذخیرۂ علوم اور یوروپ''''المراۃ المسلم''''علمی خبریں''''الندوہ میں ایک عظیم الشان کتب خانے کی ضرورت''''القضا فی الاسلام''''یوروپ میں گونگوں کی تعلیم'' وغیرہ مضامین اس رسالے کے لیے تحریر کیے گئے۔

حوالہ جاتی کتب:

مولانا آزاد: ایک ہمہ گیر شخصیت۔رشید الدین خان

غبارِ خاطر۔مرتبہ: مالک رام ناشر: کتب خانہ خورشید یہ اردو بازار' لاہور

آوازِ دوست: مختار مسعود

ایوانِ اردو' دہلی ''مولانا ابوالکلام آزاد نمبر'' اردو اکاڈمی دہلی

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی مذہبی، سیاسی اور قومی بصیرت

مولانا کی مذہبی فکر:

مولانا آزاد نے جس خاندان میں آنکھ کھولی وہ پیر و مرشدی کے مسلک سے وابستہ تھا۔ جہاں وعظ و نصیحت کی مجالس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ مولانا کے جدامجد جمال الدین دہلوی سے لے کر ان کے والد مولانا خیر الدین تک یہی سلسلہ پیر و مریدی قائم تھا۔ ان کے مریدین کا سلسلہ ہمیشہ جاری و ساری رہتا تھا۔ والد محترم مولانا کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے، لیکن مولانا چوں کہ وحدت الوجود کے قائل تھے، اس لیے انہوں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ خاندانی عقائد و افکار کے سانچے میں ڈھل جائیں بلکہ ان کی عقل و نگاہ نے دوسری راہ اختیار کی، جو منطق علم و استدلال کی راہ تھی۔

مولانا نے عمر کے ستائیس برس تک صحافت کے میدان میں طبع آزمائی کی اور قرآن و حدیث کی روشنی میں غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا کے نزدیک قرآن ہی مکمل طرز حیات کا سرچشمہ تھا۔ غرض 'الہلال' کا مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کو انجام دینا تھا۔ مولانا آزاد نے قرآن کو تحریر و تقریر، گفتار و کردار کا اصل سرمایہ بنائے رکھا۔ وہ زندگی کے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور مذہبی مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرتے تھے۔ وزارت تعلیم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے مذہب سے متعلق یہ وضاحت کی تھی کہ دنیا کے تمام مذاہب حق پر ہیں لیکن پیروان مذہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہے۔ جس قدر بھی

www.urduchannel.in

اختلاف ہے' پیروان مذہب کے فعل وعمل پر ہے۔مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔اگر پیروان مذہب کا انحراف دور ہو جائے تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو حق ہے۔

مولانا آزاد چونکہ مدبر عالم دین اور مفسر قرآن تھے۔اللہ اور رسول ﷺ کے عشق سے ان کا دل لبریز تھا۔جس کا ثبوت ان کی تفسیر ''ترجمان القران'' سے ملتا ہے' جو 18 پاروں اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔مولانا مودودی اور مولانا آزاد کی ترجمان القرآن کا موازنہ کیا جائے تو بہت سی باتیں مشترک نظر آتی ہیں۔مثلاً ان دونوں کے موضوعات ''اسلامیات وتفاسیر'' تھے۔مولانا مودودی کے اسلوب میں نرمی اور ملائمت کے ساتھ تفہیمی انداز ملتا ہے۔جب کہ مولانا کی تحریروں میں خطیبانہ انداز کی جھلک پائی جاتی ہے' جس کا اثر قاری کے ذہن ودل پر تا دیر قائم رہتا ہے۔ترجمان القرآن کے علاوہ مولانا کی مذہبی تصانیف میں 'مقامِ دعوت' 'ولادتِ نبوی ﷺ' ارکانِ اسلام' 'رسولِ رحمت' مضامین الندوہ' 'قرآن کا قانون۔عروج وزوال' 'تصوراتِ قرآن' 'حجت ابراہیمی' 'سیرت ابن قیم' 'سیرتِ ابن تیمیہ' 'انسانیت موت کے دروازے پر' 'والعصر' اسلامی تہذیب اور مذاہبِ عالم' 'قصائصِ مسلم' 'الدین الخالص' 'احرار الاسلام' اور تفسیر 'سورۂ یوسف' وغیرہ قابل ذکر تصانیف ہیں۔جن کا مطالعہ فکر ونظر کی عمیق گہرائیاں عطا کرتا ہے۔

مولانا آزاد بحیثیت مفسر القرآن:

'' تفسیر'' عربی لفظ ہے' جس کے معنٰی 'کھولنا' کے ہوتے ہیں۔اصطلاح میں تفسیر وہ فن ہے' جس میں قرآنِ حکیم کے معانی ومفاہیم کو کھول کر بیان کیا جائے اور ایسا کرنے والے کو مفسر کہتے ہیں۔نبیٔ محترم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابۂ کرام خود قرآنِ پاک کو سمجھنے کے اہل تھے اور نبیٔ رحمت ﷺ خود بھی قرآن پاک کو کھول کھول کر بیان کرتے بلکہ معنٰی ومفہوم کی وضاحت بھی کرتے تھے۔اس لیے قرآنِ مجید کی باریکیوں کو سمجھنے کا اُس وقت کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن' بعد کے زمانے میں اس دشواری کو شدت سے محسوس کیا جانے لگا تو علمائے کرام نے غور وفکر'

www.urduchannel.in

حسن تدبر اور جدت معانی کے پیشِ نظر تفسیر قرآن کی بنیاد ڈالی اور اللہ رب العزت کی مدد کے سہارے قرآن کی اصل روح کو تفاسیر میں پیش کرنے کی کی سعیٔ جمیل کی۔ تفاسیر کے بحرِ ذخار میں متقدمین و متوسطین کے علمائے بے مثل نے اپنی بیش بہا فکر و نظر کے سہارے جو تفاسیر قلمبند کیں' ان میں تفسیر ابنِ حریر' تفسیر ابنِ کثیر' تفسیر القرطبی' تفسیر کبیر' تفسیر درمنثور' تفسیرِ مظہری' تفسیرِ روح المعانی وغیرہ بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ اردو میں حضرت شاہ ولی اللہ کے خانوادے نے گراں قدر خدماتِ تفاسیر سے اردو زبان و مذہب کا دامن بھر دیا۔ مولانا عبدالقادر دہلوی نے ''موضح القرآن'' کے زیرِ عنوان تفسیر رقم کی۔ معروف ادیب ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں کہ

> ''قرآن حکیم کی تفسیر بیانی نہایت مشکل فن ہے۔ مزاجِ قرآن اور معنیٰ قرآن سے ہٹ کر ذرا بھی قلم پھسلا تو یوں سمجھیئے کہ عاقبت خراب ہوگئی۔ اس لیے خشیتِ الٰہی کی وجہ سے جی گردہ رکھنے والوں نے بھی اس راہ میں قدم سنبھل کر ہی رکھا اور ہر بار اپنی تحریر کو میزانِ نقد پر تولتے رہے۔''

(مفسرِ قرآن۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص3)

بعد کے زمانے میں سرسید احمد خان' خواجہ حسن نظامی' مرزا حیرت دہلوی' نے تفاسیر قلمبند کیں۔ علاوہ ازیں مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر 'البیان' مولانا مفتی محمد شفیع کی 'معارف القرآن' مولانا محمد علی قادیانی کی 'بیان القرآن' مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تفسیر 'کنز الایمان' مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی تفسیر 'القرآن' مولانا ابوالکلام آزاد کی 'ترجمان القرآن' مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' اور مولانا وحید علی خاں کی 'تذکیر القرآن' کافی اہم تفاسیر سمجھی جاتی ہیں۔

مولانا آزاد کی ترجمان القرآن کے پیش لفظ میں ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ:

> ''ترجمان القرآن کو غیر معمولی مقبولیت خصوصاً تعلیم یافتہ طبقے میں دو وجہوں سے حاصل ہوئی ہے: ایک تو مولانا کی زبان اور اُن کے بیان میں غضب کی دلکشی ہے جس نے اُن کے ترجمے اور تفسیری اشارات میں اردو

www.urduchannel.in

ادب کے ایک شاہکار کی شان پیدا کر دی ہے۔ دوسرے وہ روحِ عصر کے محرم ہیں۔ کلامِ الٰہی کے مطالب کو اس حکیمانہ انداز میں سمجھاتے ہیں، جس سے نئے زمانے کے تنقیدی ذہن کی بھی تسکین ہو جاتی ہے۔''

(پیش لفظ۔ ترجمان القرآن۔ صفحہ 2 ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی 1964ء)

ترجمان القرآن کے لکھنے کا سبب مولانا نے یہ بتایا ہے کہ قوم کی اصلاح اور دوسری قوموں کو دعوتِ قرآن و اسلام کی خاطر ایک ایسی کتاب اردو میں تیار ہو جائے جس کی نسبت وثوق سے کہا جا سکے کہ اس کا پڑھ لینا اور پڑھا دینا قرآن کے حقیقی مقاصد و مطالب سمجھ لینے اور اسے حقیقی شکل و نوعیت میں دیکھ لینے کے لیے کافی ہے۔ وہ نہ تو اس قدر ضخیم ہو کہ ہر شخص اس کے مطالعے کے لیے وقت نہ نکال سکے اور وہ نہ تو اس قدر مختصر ہو کہ مطلب کی وضاحت تشنہ رہ جائے۔ اس کی نوعیت ترجمے کی ہو لیکن ایسا ترجمہ کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔ مولانا نے اس سلسلے میں اپنے سات دن کی مشغولیت کی تقسیم یوں کر دی تھی کہ تین دن 'البلاغ' کی ترتیب میں صرف ہوں، دو دن ترجمے میں اور دو دن تفسیر میں۔ ایک تکلیف دہ تجربہ مولانا کے لیے یہ رہا کہ جب انہوں نے آٹھ پاروں کا ترجمہ اور سورۂ نساء تک کی تفسیر مکمل کر لی تھی تو 8/ جولائی 1916ء کو یکا یک حکومتِ ہند نے اُن کی نظر بندی کے احکام جاری کر دیے۔ مکان کی تلاشی لی گئی اور چھپی ہوئی کتابوں کے ساتھ ترجمان القرآن کا مسودہ بھی حکومت نے ضبط کر لیا۔ پندرہ ماہ بعد رہائی ہوئی تو مولانا نے مسودہ مانگا تو اس حالت میں ملا کہ تمام ذخیرہ برباد ہو چکا تھا۔ محض اوراقِ پریشاں کا ایک ڈھیر تھا اور نصف سے زیادہ اوراق یا تو ضائع ہو چکے تھے یا اطراف سے پھٹے ہوئے اور پارہ پارہ تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا جو جامِ حوادث نے میرے لبوں کو لگایا۔ لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا' البتہ اس سے انکار نہیں کہ اس کی تلخی آج تک گلوگیر ہے۔

تاہم مولانا نے کسی تصنیف کے دوبارہ لکھنے کے روح فرسا کام کو از سرِ نو بامِ تکمیل کو

www.urduchannel.in

پہنچایا۔ اگر چہ ابتداء میں چند دنوں تک اُن کی طبیعت رکی رکی رہی' لیکن جوں ہی ذوق وفکر کے دو چار جام گردش میں آئے' طبیعت کی ساری رکاوٹیں دور ہوگئیں اور پھر تو ایسا معلوم ہوا کہ اس شورش کدۂ ہستی میں افسردگی اور خمار آلودگی کا کبھی گزر ہی نہیں ہوا تھا۔ مولانا نے ترجمان القرآن کا انتساب ایک ایسے غریب شخص کے نام کیا ہے' جو سرحد پار سے کلکتہ آپ کے گھر پیدل چل کر آیا تھا اور قرآن کے کچھ اہم نکات کو سمجھ گیا تو واپس پیدل ہی اپنے وطن کو چلا گیا۔ غالباً ڈسمبر 1918ء کا واقعہ ہے کہ مولانا رانچی میں نظر بند تھے۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ کمبل اوڑھے ایک شخص ان سے قرآنِ مجید کے بعض مقامات کو سمجھنے کے لیے بہت دور سے تھکا ہارا میلوں کی مسافت طئے کر کے آیا ہے۔ کچھ دن وہ مولانا کے ہاں ٹھہرا رہا اور ایک دن اچانک واپس چلا گیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ:

> ''وہ چلتے وقت اس لیے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا' میں اسے واپسی کے مصارف کے لیے روپیہ دوں گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے۔ اس نے یقیناً واپسی میں بھی مسافت کا بڑا حصہ پیدل ہی طئے کیا ہوگا۔ مجھے اس کا نام یاد نہیں' یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں' لیکن اگر میرے حافظے نے کوتاہی نہ کی ہوتی تو میں یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کر دیتا۔''

(انتساب۔ ترجمان القرآن۔ جلد اول۔ ساہتیہ اکاڈمی' نئی دہلی)

مولانا کا مقامِ پیدائش چوں کہ مکہ تھا۔ عربی زبان سے کما حقہ واقفیت تھی اور علمِ قرآن اُنہیں ورثے میں ملا تھا۔ لیکن' انہوں نے اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ باقاعدگی سے مطالعہ قرآن کرتے رہے۔ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ:

> ''کامل ستائیس برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورت' ایک ایک مقام' ایک ایک آیت' ایک

www.urduchannel.in

ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طئے کیے ہیں، تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے اور علومِ قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔''

(پیش لفظ۔ترجمان القرآن جلد اول۔ص 51/52 ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی)

قرآنِ حکیم کے علوم و مباحث اور اُس کی تفہیم مولانا کی فکر و نظر اور استغراق کا نتیجہ ہے۔ترجمان القرآن کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مولانا کو معروضی اور موضوعی ہر دو سطح کے اظہار پر مکمل دسترس تھی۔وہ ماہر علوم تھے، ہر قسم کے مباحث پر فنکارانہ نظر ڈالتے ہوئے احادیث و روایات کی روشنی میں اپنے استدلال کو علمِ قرآن کی میزان پر تولتے۔اسی وجہ سے ترجمان القرآن عوام وخواص اور علمائے کرام میں پسند کی نظر سے دیکھی اور پڑھی جاتی ہے۔مولانا پہلے ایسے مفسر ہیں، جنہوں نے ارضِ قرآن کے جغرافیہ سے قاری کو واقف کروایا اور قرآن کے واقعات و قصص کو تاریخ عالم کی روشنی میں پیش کیا۔اصحابِ کہف، ذوالقرنین وغیرہ قصوں کو تاریخ و جغرافیہ کے تحت قلمبند کیا۔مولانا آزاد کی تفسیر 'ترجمان القرآن' اپنی نوعیت کی ایک ایسی تصنیف ہے، جس میں قدیم تفسیروں کی روایتوں کو رد نہیں کیا گیا اور جدید نظریات پر بہت زیادہ اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ، یہ علوم قدیمہ وجدیدہ کا ایک حسین امتزاج ہے۔ترجمان القرآن کی صرف یہی دو جلدیں مولانا کی زندگی میں منظرِ عام پر آئیں۔جلد اول سورۃ فاتحہ پر اور جلد دوم میں کل 22 سورتوں کی تفسیر ملتی ہے۔بعدِ وفاتِ مولانا، سورۂ نور کا ترجمہ مع تفسیر، مولانا کے کاغذات سے دستیاب ہوئے، جسے اُن کے پرستار غلام رسول مہر نے ''باقیاتِ ترجمان القرآن'' کے زیرِ عنوان 1962ء میں بہ اہتمام شائع کیا۔نیز مولانا کی تحریروں، خطبوں اور بیانوں کو بھی شاملِ تصنیف کرتے ہوئے معروف محقق مالک رام نے مولانا کی ترجمان القرآن کو تین جلدوں میں ساہتیہ اکاڈمی، نئی دہلی کے زیر اہتمام شائع کیا۔جس

www.urduchannel.in

کی اہمیت اور افادیت سے متعلق ''تذکرہ'' میں مولانا لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کی حقیقت سے آشنا ہونے کے لیے بیضاوی ولغوی کی ورق گردانی نہیں بلکہ دلِ دردمند کے الہام اور جبرئیلِ عشق کے فیضان کی ضرورت ہے۔'' (تذکرہ۔مرتبہ: مالک رام۔ساہتیہ اکاڈمی، دہلی)

دلِ دردمند کے الہام اور عشق کا فیضان اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم قرآن کو فکر ونظر کی اس زبان میں سمجھیں، جو احادیثِ نبوی، آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین کے سانچے میں ڈھلی ہے اور قرآن ہی کے الفاظ ومطالب کی زبان ہے۔سید سلیمان ندوی نے 'ترجمان القرآن' کا امتیاز دیکھا تو کہا کہ:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق مولانا کے الہلال، البلاغ نے پیدا کیا۔جس اسلوبِ بلاغت کی انشا پردازی اور زورِ تحریر کے ساتھ انہوں نے انگریزی خواں نوجوانوں کے سامنے قرآنِ پاک کی ہر آیت کو پیش کیا اور ایمان ویقین کے نئے نئے دروازے دروازے کھول دیے۔اُن کے دلوں میں قرآن پاک کے معنٰی ومطالب، بلندی اور وسعت کو نمایاں کر دیا۔''

(ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ: مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ص 34۔1993ء)

ترجمان القرآن کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے بارے میں مولانا آزاد خود رقمطراز ہیں کہ:

''میری اردو مطبوعات میں ترجمان القرآن پہلی کتاب ہے، جسے لوگوں نے اس قدر ذوق اور عشق کے ساتھ خریدا اور پڑھا ہے۔'' (ایضاً)

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر کا نام حضرت ابنِ عباسؓ کے لقب ''ترجمان القرآن'' کے نام پر رکھا۔امت میں حضرت ابن عباس اسی لقب سے یاد کیے جاتے تھے اور علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر کا نام بھی ''ترجمان القرآن'' تھا۔مولانا آزاد نے قرآنِ کریم کے اصل مقصدِ نزول کو

www.urduchannel.in

سامنے رکھا تھا۔ آپ کو آیاتِ قرآنی پر عبور اور ان کے گہرے معارف وحقائق کا عرفان حاصل تھا۔ مولانا کے مقصد تالیف کو سامنے رکھتے مولانا احمد سعید صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم کی عربی مبین' مولانا آزاد کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ آ کر اسے اردوئے مبین کے قالب میں ڈھالیں۔ ترجمان القرآن مولانا آزاد کا غیر فانی کارنامہ ہے۔'' (ایضاً۔ص47)

مولانا نے ترجمان القرآن کی زبان کو الہلال' البلاغ کی زبان سے الگ رکھا۔ عربی' فارسی کی تراکیب' شاعرانہ استعارات وتشبیہات سے گریز کیا۔ چوں کہ ترجمان القرآن ایک مربوط' مرتب اور منضبط کتاب ہے۔ اس میں مولانا کا قلم بے دھڑک نہیں چلتا' بلکہ محتاط رہتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ترجمان' ترجمان نہ ہوتا۔ بقول آزاد:

''ہم نے یہ مطلب اسی سادہ طریقے پر بیان کر دیا' جو قرآن کے بیان و خطاب کا طریقہ ہے۔'' (ترجمان القرآن۔ص79)

اردو کے معروف نقاد ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں کہ:

''آزاد کی نکتہ رس طبیعت نے ابتداء ہی سے زبان وخیال کی ناہمواری کا راز پالیا تھا۔ وہ موضوع کا سانچہ دیکھ کر اظہارِ بیان کے لیے الفاظ ڈھالتے ہیں اور اسی لحاظ سے انتخاب وترتیب کا کام شروع کر دیتے ہیں۔

(ایضاً۔ص50)

ترجمان القرآن کی پہلی جلد 'الفاتحہ' کے علاوہ 'سورہ بقرہ' سے 'سورۂ الانعام' تک ہے، اس جلد میں مولانا نے تشریحی قواعد میں مولانا نے اختصار سے کام لیا ہے۔ جلد دوم میں پہلی جلد کے اختصار کی تلافی دکھائی دیتی ہے۔ چوں کہ قرآنی مطالب کی بڑی تعداد ایسی ہے' جو بار بار دہرائی گئی ہے۔ اس لیے اُن مقامات کی تشریح کے لیے مولانا نے دوسری جلد میں موقع پیدا کر لیا' تاہم مولانا لکھتے ہیں کہ:

www.urduchannel.in

''بعض مباحث باقی رہ گئے۔ مثلاً قصہ آدم، خروج بنی اسرائیل، حقوق نسواں، تقسیم میراث وغیرہ تو تیسری جلد کی سورتوں کے مباحث میں خود بخود آجائیں گے۔'' (ایضاً۔52)

ترجمان القرآن کی تفسیر کے لیے مولانا نے جو شب و روز بسر کیے، جس طرح کی فکری تفہیم اور فکر سامانیاں اُنہیں گھیرے ہوئے تھیں، اُس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے، جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے، جو افکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو۔ میں جب پیاسا تھا تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں اور جب سیراب ہوا تو میری سیری کا سر چشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا۔'' (ترجمان القرآن۔ جلد دوم۔ص76)

مولانا آزاد کی سیاسی بصیرت:

مولانا کی ذات مجموعۂ کمالات تھی اور قدرت نے اپنی عطا اور بخشش میں ان کے ساتھ بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ مولانا ہر میدان کے میر لشکر تھے۔ خواہ وہ ادب ہو، دین ہو، صحافت ہو یا سیاست۔ مولانا نے صحافت کو پیشے کو معزز بنایا اور صحافی کو سماج کا ایک اہم ذمے دار فرد۔ اسی طرح مولانا کی سیاست فہمی بھی بے نظیر تھی۔ جب انہوں نے ملکِ مصر، عراق اور ترکی کے اسفار کیے اور وہاں کی سیاست کو بہ نفسِ نفیس ملاحظہ کیا اور مسلمانوں کے سیاسی شعور کو محسوس کیا تو انہیں ہندوستان کی سیاست کو سمجھتے دیر نہیں لگی۔ انہی اسفار نے انہیں رسالہ 'الہلال' اور 'البلاغ' کے لیے ذہنی طور سے تیار کیا۔ مسلمانوں کو سیاست کے میدان میں لانے کے لیے وہ ہمیشہ کوشاں رہتے اور کہا کرتے تھے کہ:

''ہندوؤں کے لیے آزادی کی جدوجہد کرنا داخلِ حب الوطنی ہے، جب کہ مسلمانوں کے لیے یہ ایک دینی فریضہ اور داخلِ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔''

www.urduchannel.in

(آثارِ آزاد۔مرتب مسٹر راجیش کمار پرتی۔ص 8 نیشنل آرکائیوز آف انڈیا)

مولانا ابتداء میں خلافتِ تحریک' ترکِ موالات' حزب اللہ اور ریشمی رومال سے جڑے رہے۔بعد از آں 1919ء چترنجن داس اور گاندھی جی سے بہت متاثر ہوئے۔قولِ فیصل میں مولانا نے یہ واضح کیا ہے کہ:

''ہندوستان کی آزادی اور موجودہ جدوجہد کے لیے مہاتما گاندھی کے تمام دلائل سے میں متفق ہوں اور ان دلائل کی سچائی پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ ہندوستان نان وائلنس کے ذریعے فتح مند ہوگا اور اس کی فتح مندی اخلاقی اور ایمانی فتح مندی کی یادگار مثال ہوگی۔''

(قولِ فیصل۔ص 389 ایوانِ اردو۔دہلی)

1920ء تک مولانا کی سیاسی بصیرت عروج پر پہنچ چکی تھی اور ان کی دوراندیشی سے گاندھی جی' جواہر لال نہرو اور سروجنی نائیڈو بہت متاثر تھے۔گاندھی جی نے ستمبر 1920ء میں عدم تعاون کی تجویز پیش کی تو مولانا نے غیر مشروط طور پر ان کی تائید کی اگرچہ بعض لیڈر متفق نہیں تھے' لیکن مولانا کی دوراندیش فکر کے باعث دوسرے لیڈر بھی گاندھی جی سے اتفاق کرنے لگے۔یوں ایک بار پھر گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہوا' جس میں مولانا سرِ فہرست تھے۔مولانا کی رہائی ہوتے ہوتے کانگریس میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔موتی لال نہرو نے سوراج پارٹی قائم کر لی' جب کہ دیگر کانگریسی لیڈران نے علاحدہ پارٹیاں بنانی شروع کر دی تھیں۔رہائی کے کے بعد مولانا نے کانگریس لیڈران میں مفاہمت کی کوشش کی اور ان میں سمجھوتہ کرا دیا۔اسی اثناء میں کانگریسیوں نے مولانا کو پارٹی کا صدر بنایا۔اس وقت مولانا کی عمر 35 برس تھی اور کانگریس کے وہ سب سے کم عمر صدر تھے۔

مولانا کی صدارت کا دور سخت آزما تھا۔بیشتر لیڈر گرفتار ہو رہے تھے۔سائمن کمیشن کا بائیکاٹ ہو کہ گاندھی اروِن معاہدہ' گول میز کانفرنس ہو کہ کانگریس کے درمیان پھوٹ۔ہر مشکل کو

www.urduchannel.in

مولانا کی معاملہ فہمی نے آسان بنانے کی کوشش کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر مشکل مرحلے میں گاندھی جی سے لے کر جناح تک نے مولانا سے قدم قدم پر مشورے طلب کیے ہیں۔ جب صوبہ جاتی اختلافات عروج پر پہنچ گئے تو مولانا نے یہ رائے دی کہ کانگریس کو مختلف صوبوں میں وزارتیں بنانا چاہیے اور صوبہ جاتی حکومتوں کو اختیارات دیے جانے چاہیے' گو کہ کانگریس کے بعض ذی فہم اور قابل رہنماؤں کو کانگریس کے عہدے قبول کرنا چاہیے۔ اس رائے پر گاندھی جی مولانا سے متفق ہو گئے اور کانگریس نے صوبوں میں وزارتیں بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

مولانا نے کانگریس کی No changers اور Pro changers کی مخالفانہ پارٹیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''1919ء سے ہم عملی احتیاج کے پروگرام پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اس میں فائدہ ہی ہے اگر بعض لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ قانون ساز اسمبلی کو جدوجہد کا میدان بنانا چاہیے تو ہٹ دھرمی سے کام نہیں لینا ہوگا۔ تمہیں یہ یقین ہو جائے گا کہ سب کا مقصد ایک ہے تو جو چاہے وابستگان میں اپنا نام لکھوا لے۔ آخر فتح تو آزادی کے طلب گاروں کی ہی ہوگی۔ غرض مولانا کی اس بصیرت نے سحر کا کام کیا اور مختلف فرقے' پارٹیاں اور مجالس ایک نصب العین کے لیے کمر بستہ ہو گئیں اور جب کبھی کسی گروہ یا تحریک میں تعطل کی کیفیت پیدا ہوئی تو مولانا نے اسے از سرِ نو فعال بنانے کی کامیاب کوشش کی۔

مولانا کے دورِ صدارت میں ہی دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا اور ہندوستانی سیاست بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔ کرپس مشن کی تخریب کاریاں منہ کھولے کھڑی تھیں۔ سر کرپس جو کرپس مشن کا سرکردہ قائد تھا' اس سے گفت وشنید کی ذمے داری مولانا کو ہی سونپی گئی تھی۔ کرپس پیشے سے وکیل تھا اور پینترے بدل بدل کر سارے حربے استعمال کرتا تھا۔ ادھر مولانا بھی اس کے ہر وار کو خالی اور ہر حربے کو بے کار کر رہے تھے۔ یہ مولانا کی سیاسی سوجھ بوجھ پر دال ہے۔ انگریزوں سے مولانا کی یہ طویل گفتگو کچھ حد تک کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی کہ کیابنیٹ مشن نے دوبارہ مشکلات کھڑی کر دیں۔ لارڈ مونٹ بیاٹن کیابنیٹ مشن کی سخت کاروائی کے ذریعے

www.urduchannel.in

ملک کو تقسیم کروانا چاہتا تھا۔ مولانا دوقومی نظریے یعنی ہندوستان کی تقسیم اور ملک پاکستان کے وجود کے سخت مخالف تھے۔ اس وقت مولانا نے بیٹن کو تنبیہ کی تھی کہ تقسیم کا انجام خون خرابہ ہوگا۔ لیکن اس نے کہا کہ ایک بار تقسیم ہو جائے اس کے بعد میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہنے دوں گا اور تاریخ نے مولانا کے اندیشے کو صحیح ثابت کر دیا۔ چناں چہ مولانا نے انڈیا ونس فریڈم میں لکھا ہے کہ:

''تقسیم کے واقعتاً عمل میں آ جانے پر ملک کے وسیع حصوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہندوستانی فوج بانٹ دی گئی اور بے گناہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا قتل روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا جا سکا۔''

(انڈیا ونس فریڈم۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مرتبہ ہمایوں کبیر۔ ص 253)

مولانا نے ہر وقت یہی کوشش کی کہ مسلمانوں کو جدوجہدِ آزادی میں قولاً و عملاً شریک کرا سکیں، دراصل وقتاً فوقتاً اپنی تقاریر و خطابات میں مولانا نے مسلمانانِ ہند کو عام فہم الفاظ میں سمجھایا۔ مثلاً مولانا نے ایک دفعہ کہا کہ:

''احکامِ شرع کے رو سے مسلمانوں کے لیے اگر کوئی فریق ہو سکتا ہے جو نہ صرف ایشیاء کی، مشرق کی بلکہ اس تمام کرۂ عرض کی سچائی کو آج چیالنج کر رہا ہے، اس کو مٹا رہا ہے تو وہ برٹش گورنمنٹ کے علاوہ کوئی دوسری طاقت نہیں۔ اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ احکامِ شرع کو سامنے رکھ کر پیغمبرِ اسلام کے اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھیں اور جو تعلیم قرآن نے دی ہے، اس پر عمل کریں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا شرعی فرض ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں سے کامل سچائی کے ساتھ عہد و محبت کا پیمان باندھ لیں اور ان کے ساتھ مل کر ایک نیشن ہو جائیں۔''

(خطبۂ صدارت مجلسِ خلافت۔ خطباتِ آزاد۔ ص 51)

www.urduchannel.in

آزادیٔ ہند کے آخری مراحل میں سیاست کے آسمان پر دو عظیم رہنما مانند آفتاب روشن تھے۔ایک محمد علی جناح اور دوسرے مولانا آزاد۔دونوں نے مختلف طریقوں سے مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی کوششیں کیں۔جناح آزمودہ اور قابل وکیل تھے' جب کہ مولانا مدبر اور دانشور۔مولانا کے نظریے میں وسعت تھی۔وہ کثرت میں وحدت کی تلقین کیا کرتے تھے۔انہوں نے مسلمانوں کو تنگ نظری کی محدود فضاؤں سے نکالا اور اسلام کی روشن فکریں عطا کیں۔جس کی مخاطب دوسری قومیں بھی تھیں۔مولانا نے سیاست کے بارِگراں کو دلائل' منطق' توازن' تجزیے اور صالح اقدار کی بنیادوں پر سنبھالے رکھا، وہ غبارِ خاطر میں رقم طراز ہیں کہ:

''ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں' بلکہ تلاش زیاں ونقصان کے لیے آئے ہیں۔صلہ وتحسین کے لیے نہیں بلکہ نفرت و دشنام کے طلبگار ہیں۔عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش واضطراب کے کانٹے ڈھونڈتے ہیں اور دنیا کے زر وسیم کو قربان کرنے کے لیے نہیں' بلکہ خود اپنے تئیں قربان ہونے کے لیے آئے ہیں۔'' (الہلال 27/جولائی 1912ء)

غرض مولانا نے ہندو مسلم اتحاد کی وہ مالا تیار کی جو آزاد ہندوستان کے گلے کا ہار بنی۔ اسی دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے پرانے ہندوستان کی جگہ نئے ہندوستان کو وجود میں لانے کا کام شروع کر دیا۔مولانا کی سیاسی بصیرت کا اعتراف آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''میں صرف عملی سیاست ہی نہیں جانتا ' سیاست کا طالبِ علم بھی ہوں۔ علمِ سیاست کی کتابیں مجھ سے زیادہ ہندوستان میں کسی اور نے نہیں پڑھیں۔میں تیسرے چوتھے سال یوروپ کا بھی دورہ کرتا ہوں' جہاں سیاست کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ میں نے سیاست کے تازہ ترین علم سے واقفیت حاصل کر لی ہے۔لیکن جب

www.urduchannel.in

ہندوستان پہنچ کر مولانا ابوالکلام آزاد سے باتیں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے
کہ وہ اب بھی بہت آگے ہیں۔''
(مولانا ابولکلام آزاد۔ایک ہمہ گیر شخصیت۔رشیدالدین خان۔ص12)

مولانا کا تصورِ قومیت:

بقول خورشید مصطفیٰ رضوی

''مولانا کی زندگی کے ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ میں صد ہزار نیرنگیاں۔
یہ بتانا مشکل ہے کہ کونسا رنگ زیادہ شوخ اور گہرا ہے۔''
(مولانا آزاد ایک ہمہ گیر شخصیت۔رشیدالدین خان۔ص468)

مولانا کے مجموعی کمالات میں سے ایک کمال ان کی انسان دوستی ہے۔رنگ، نسل، مذہب کے تعصبوں سے پاک وہ ہمیشہ قومی یک جہتی کے علمبردار رہے۔اوائل عمری ہی سے قوم وملت کے لیے سر بہ کف ہو کر میدانِ کارزار میں آئے اور بنگال کی انقلابی تحریکوں سے وابستہ ہوئے۔مولانا نے عراق، ترک ومصر کے اسفار کیے، جسکی وجہ سے ان کا سیاسی شعور پختہ ہوا۔تحریکِ خلافت، ترکِ موالات، حزب اللہ اور ریشمی رومال جیسی تحریکوں میں اس بصیرت افروز شخص کی شمولیت نے انگریزوں پر کاری ضرب لگائی اور کاروانِ حریت کے نقیب کہلائے۔برطانوی استبداد نے حق کی آواز کو دبانے کے لیے مختلف ترکیبیں کیں، لیکن 'الہلال' کی صدائے جرس نے فرزندنِ توحید کو دینِ محمدی کے ساز پر آزادیٔ وطن کا نغمہ سنایا اور حق طلبی کی صدائیں تیز کر دیں۔مصطفیٰ رضوی لکھتے ہیں کہ:

''مولانا بار بار پکارتے رہے، للکارتے رہے کہ ہندوستان لرزتا ہے! کون
ہے جو لرزتے ہندوستان کو تھامے؟ ہندوستان مضطرب ہے، کون ہے جو
اسے تسکین دے۔ہندوستان وقفِ فریاد ہے۔کون ہے جو اس کی فریاد
رسی کو آمادہ ہو۔مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیے، یا آزاد رہنا چاہیے۔تیسری

www.urduchannel.in

راہ اسلام میں کوئی نہیں۔آزادی کی راہ میں قربانی اور جاں فروشی ان کا
قدیم اسلامی ورثہ ہے۔اس میدان کے حق پرست مجاہدین وہ لوگ ہیں'
جن کے سر گردنوں پر نہیں' بلکہ ہتھیلیوں پر رہتے ہیں۔'' (ایضاً)

الہلال نے الہیات' اقتصادیات' سیاسیات کے علاوہ سائنسی ترقیات سے قارئین کو واقف کروایا۔نیز ہندوستان کے بدلتے سیاسی منظر نامے کے پیشِ نظر اُس زمانے میں الہلال کی 25000 کاپیاں فروخت ہو جایا کرتی تھیں۔اس کی بنیادی وجہہ یہ بھی تھی کہ مولانا کی زبان انوکھی' لب ولہجہ منفرد اور فکر وخیال کی پیش کشی دل فریب تھی۔مصر میں ان دنوں جمال الدین افغانی ''پان اسلامزم'' کی تحریک کے روح رواں تھے۔مولانا کی صحافت نگاری اور فکر وخیال سے متاثر ہو کر وہ پہلی مرتبہ ہندوستان آئے اور مولانا سے ملے۔الہلال اور البلاغ کی صدائے حق نے ہندوستانی قوم کے خوابیدہ کیواڑوں کو کھولنے کا کام کیا۔کھوکھلے عقائد اور تساہل کو نکال پھینکنے کی کامیاب کوشش کی اور ہندوستانی قافلے کو ایک ہی منزل پر چلنے کے لیے آمادہ کیا۔مولانا اکثر کہا کرتے تھے کہ:

''ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان
کی مختلف نسلوں' تہذیبوں اور مختلف مذہبوں کے قافلوں کی منزل ہے۔''
(ایضاً ص468)

مولانا کو صدائے حق کی پاداش میں حسرتؔ موہانی اور علی برادران کے ساتھ جیل بھیج دیا گیا۔اس وقت گاندھی جی آفریقہ میں اور پنڈت نہرو لندن میں زیرِ تعلیم تھے۔جب رانچی کی نظر بندی سے مولانا کی رہائی ہوئی تب تک پہلی جنگِ عظیم ختم ہو چکی تھی' حکومت کے نئے آرڈیننس رولٹ ایکٹ کے خلاف شدید غم و غصے کی لہر پھیل چکی تھی۔جلیان والا باغ' امرتسر میں بے دریغ خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ایک طرف ترکی کا مسئلۂ خلافت تھا تو دوسری طرف برطانیہ کی تائید سے یونانیوں نے اناطولیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔غرض دنیائے اسلام میں ہر جگہ بے چینی کا عالم تھا۔

www.urduchannel.in

ہندوستان سے ان حالات سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ انگریزوں کی Divide And Role کی پالیسی ہر طرف ہنگامہ برپا کر رہی تھی اور قومی اتحاد کی دیواریں کمزور ہوتی جا رہی تھیں، ایسے میں مولانا آزاد، گاندھی جی، پنڈت نہرو اور محمد علی جناح جیسے رہنماؤں کی حکمتِ عملی کام آئی۔

گاندھی جی اور مولانا دونوں مذہبی انسان تھے، لیکن دونوں میں انسان دوستی اور سیکولرزم کا وصف مشترک تھا۔ بعض لوگوں نے مولانا کے نظریۂ قومیت کو قوم پرستی کا نام دیا اور مخالفانہ حملے کیے۔ ایسے وقت میں مولانا نے معقول جواب دیا کہ:

> ''یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ مغرب کی تہذیب اور ادب سے اس حد تک متاثر ہو جائیں کہ اپنے ملک کی تہذیب کو بھلا دیں۔ اس کی ساتھ یہ بھی صحیح نہیں کہ اپنے آپ کو خول میں اس طرح بند کر لیں کہ مغربی علوم اور تہذیب کی ایک کرن بھی آپ تک نہ پہنچ سکے اور اس بات کو نہ بھولیے کہ آپ دنیاوی اشیاء کو قومی اور جغرافیائی حدود میں قید کر سکتے ہیں، لیکن علم اور تہذیب کو خانوں میں نہیں بانٹ سکتے۔'' (ایضاً ص470)

مولانا کے نظریات سے نہ صرف ہندو، مسلمان بلکہ دیگر اقوامِ ہند ہم آہنگ ہونے لگے اور کانگریس پارٹی میں بتدریج شامل ہوئے۔ ہندو مسلم اتحاد مولانا کے نزدیک تعمیرِ ہندوستان کی بنیاد تھا۔ مولانا نے اس کی غرض و غایت اور اہمیت و افادیت کا بار ہا ذکر کیا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے ایک خصوصی اجلاس میں انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے پیشِ نظر اقوامِ ہند کو خبردار کیا ہے:

> ''آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دے کہ سوراج چوبیس گھنٹے کے اندر مل سکتا ہے، بشرط یہ کہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہو جائے تو میں سوراج سے دستبردار ہو جاؤں گا، مگر اس سے دستبردار نہ ہوں گا، کیوں کہ اگر سوراج کے ملنے میں تاخیر ہوئی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا، لیکن اگر

www.urduchannel.in

ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالمِ انسانیت کا نقصان ہے۔''

(خطباتِ آزاد۔ص 205)

حوالہ جاتی کتب:

ترجمان القرآن: مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکاڈمی، دہلی

ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ: مولانا اخلاق حسین قاسمی

انڈیا ونس فریڈم: مرتبہ ہمایوں کبیر۔ایم۔آر۔پبلی کیشنز، دہلی

تذکرہ۔مرتبہ: مالک رام۔ساہتیہ اکاڈمی، دہلی

غبارِ خاطر۔مرتبہ: مالک رام ناشر: کتب خانہ خورشیدیہ اردو بازار، لاہور

آثارِ آزاد۔مرتب مسٹر راجیش کمار پرتی۔ص 8 نیشنل آرکائیوز آف انڈیا۔1990

مولانا ابوالکلام آزاد: ایک ہمہ گیر شخصیت۔رشید الدین خان۔ناشر، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

غبارِ خاطر کا تنقیدی جائزہ

مولانا کی انشاپردازی:

''غبارِ خاطر'' مولانا آزاد کی شاہکار تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ دراصل ان خطوط کا مجموعہ ہے' جو مولانا نے قید و بند کی زندگی میں جیل میں تحریر کیئے۔ جس کے مکتوب الیہ مولانا کے عزیز دوست حبیب الرحمٰن شیروانی ہیں۔ ناقدینِ ادب نے ان خطوط کو انشائیوں سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا کا اسلوبِ نگارش منفرد اور اچھوتا ہے۔ اردو ادب کے خزینے میں یہ تصنیف ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔

8/اگست 1942ء کو انڈین نیشنل کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر سرکردہ رہنماؤں کو علی الصبح حکومتِ وقت نے ملک کے مختلف مقامات پر نظر بند کر دیا، مولانا آزاد اور اُن کے بعض دوسرے رفقاء کو احمد نگر کے قلعے میں منتقل کیا گیا۔ مولانا کا یہ سلسلہ قید و بند تین برس تک جاری رہا۔ اولاً اپریل 1945ء میں وہ احمد نگر سے 'بانکوڑہ' جیل میں منتقل کر دیے گئے اور یہیں سے بالآخر 15/جون 1945ء کو رہا ہوئے۔ اسی نظر بندی کے زمانے کا ثمرہ کتاب ''غبارِ خاطر'' ہے۔

غبارِ خاطر مولانا مرحوم کی آخری تصنیف ہے' جو اُن کی زندگی میں ہی شائع ہوئی۔ کہنے کو تو یہ خطوط کا مجموعہ ہے' لیکن چند ایک خطوط سے قطع نظر ان میں سے مکتوب کی صفت کسی میں نہیں پائی جاتی۔ نقادوں کے خیال میں یہ خطوط انشائیے اور مضامین ہیں۔ مولانا نے ''غبارِ خاطر'' کو

www.urduchannel.in

''نجی خطوط'' کہا ہے' لیکن جب تک اس بات کا تعین نہ ہو جائے کہ یہ نسخۂ ہائے وفا ادب کی کس صنف کے تحت آتے ہیں۔اُن کا جائزہ مکمل نہ ہوگا۔خورشید الاسلام نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''خطوں میں قل ہواللہ کی تفسیر نہیں ہوتی۔خط حسن اتفاق کا نام ہے۔اچھے خط ادبی کارنامے ہوتے ہیں اور اُن کے لکھنے کے لیے ادبی فیل پا کے مرض میں مبتلا ہو جانا کوئی اچھی بات نہیں' خط چھوٹی چھوٹی باتوں سے بنے جاتے ہیں وہ خطوط جن میں استدلال کا زور ہو' فلسفے پر با قاعدہ بحثیں ہوں، بالارادہ فنکاری ہو' خطوط نہیں ہوتے۔''

(غبارِ خاطر کا تنقیدی مطالعہ۔ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد۔ص 55 اشاعت 1971)

مذکورہ اصولوں پر جب ہم ''غبارِ خاطر'' کے مکاتیب کو جانچتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اُن معنوں میں خطوط نہیں بلکہ مذہب' ادب' صحافی' سیاست اور سماجیات کے مختلف موضوعات پر تحریر کردہ وہ مضامین و انشائیے ہیں' جس میں مولانا نے علم و فن کے موتی بکھیرے ہیں۔''غبارِ خاطر'' کے بارے میں مولانا نے حبیب الرحمٰن شیروانی کو ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''میری دکان میں ایک ہی طرح کی جنس نہیں رہتی' لیکن آپ کے لیے کچھ نکالتے ہوئے تو احتیاط کی چھلنی میں اچھی طرح چھان لیا کرتا ہوں کہ کسی طرح کی سیاسی ملاوٹ باقی نہ رہے''۔

(غبارِ خاطر خط 10 ص 87-2013ء)

''غبارِ خاطر'' کئی لحاظ سے بہت اہم کتاب ہے۔مولانا مرحوم کے حالات زندگی بالخصوص اُن کے خاندان' ابتدائی تعلیم و تربیت کی تفصیلات' سیرت و کردار' حادثات' نفسیات' قید و بند کی روداد' سیاسی واقعات' شعری و ادبی تخلیقات پر جتنی تفصیل سے خطوں میں لکھا گیا ہے وہ اور کہیں دستیاب نہیں ہوتا۔''غبارِ خاطر'' سے مولانا کی داستانِ حیات مرتب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔لیکن قاضی عبدالغفار کی یہ رائے قابلِ اعتنا نہیں کہ ''غبارِ خاطر'' کے مکتوبات اس ارادے

www.urduchannel.in

سے لکھے ہی نہیں گئے تھے کہ وہ کبھی شائع بھی ہوں گے۔اس لیے کہ اُن میں:

''مولانا کے افکار کا بہاؤ ایک صحرائی چشمے کی طرح آزاد ہے۔اس میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں' اس چشمے پر نہ تو کوئی پل باندھا گیا ہے اور نہ اس کے پانی پر ملاحوں کی کشتیاں تیرتی ہیں۔نہ اُس کا پانی بستیوں اور شہروں کے خس وخاشاک سے آلودہ ہے۔یہ چشمہ ایک خاموش وادی کی آغوش میں اپنی فطرت کے مطابق بہتا چلا گیا۔''

(غبارِ خاطر کا تنقیدی مطالعہ۔ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد ص59 اشاعت اپریل 197ء)

''غبارِ خاطر'' میں مولانا کے افکار کا بہاؤ مختلف علوم دینیات' تاریخ' انشا اور موسیقی وغیرہ کے راستے سے گزرتا ہے۔شاعرانہ طرزِ تخاطب نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے تو کہیں فلسیانہ گتھیاں سلجھتی نظر آتی ہیں۔غالبؔ نے اپنے مکاتیب میں فن کو زندگی پر فضیلت نہیں دی۔اُن کی زندگی اُن کے فن کا وسیلہ بن گئی' اس کے برخلاف مولانا اپنے فن سے اپنی زندگی کے خدوخال کو اجاگر کرتے نظر آتے ہیں اور یہی چیز خطوط کے ذریعے غبارِ خاطر کا المیہ بن جاتی ہے۔اس لیے کہ خطوط نگاری میں کمال حاصل کرنے کے لیے کسی فن کی ضرورت نہیں' نہ کوئی اصول' نہ کوئی خیال' نہ کوئی موجود' نہ ابتداء نہ انتہا' نہ تشبیب نہ دُعا۔خط دراصل گریز کا نام ہے اور یہ گریز جب خونِ جگر کی آمیزش سے پیدا ہوتا ہے تو بقول خورشید الاسلام:

''بے اُصولی بھی ایک اصول بن جاتی ہے' لغزشیں حسین ہو جاتی ہیں۔ چاند اور سورج خود بنتے سنورتے اور غروب ہو جاتے ہیں۔''

(ایضاً ص60)

واقعہ یہ ہے کہ ''غبارِ خاطر'' میں مولانا نے قید و بند کی تنہائی میں سنہری یادوں کی ایک بزم سجائی ہے۔یہاں مکتوبِ الیہ رسماً واقع ہوا ہے، بقول آلِ احمد سرور:

''کاتب اپنے دل کے داغوں کی بہار دیکھنا چاہتا ہے۔غبارِ خاطر خطوں کا

www.urduchannel.in

مجموعہ نہیں، مضامین کا مجموعہ ہے اور مضمون نگاری کے لحاظ سے اُن کا اسلوب بھی ہے۔''

(غبارِ خاطر کا تنقیدی جائزہ ص60۔ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد۔1971ء)

آلِ احمد سرور اور دیگر ناقدین کی آرا بڑی حد تک صحیح ہے۔ان مکاتیب میں کچھ خطوط ایسے ضرور ہیں جن پر مضمون کا اطلاق ہوتا ہے۔اس لیے کہ مضمون کی زد میں سماجی، سیاسی، مذہبی مضامین سے لے کر علمی ادبی، تحقیقی ہر طرح کے مضامین آتے ہیں۔ان کے اندر مواد بھی ہے اور اُن کی افادیت بھی۔ کچھ خطوط میں سارا زور بات کو عالمانہ انداز میں بیان کرنے اور معلومات دینے پر صرف ہوا ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ علم وحکمت کی باتیں، غور وفکر کے دامن پر آویزاں بھی کی گئی ہیں۔غبارِ خاطر کے چند خطوط میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں، جو اچھے انشائیے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ان مکاتب میں مولانا کے واقعات سے زیادہ ردعمل دکھائی دیتا ہے۔انشائیے میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یہ نثر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے، جس میں مصنف دنیا کے کسی بھی موضوع پر انشائیہ سپردِ قلم کرتا ہے ڈاکٹر جانسن کے الفاظ میں:

''یہ انسانی دماغ کی ڈھیلی ڈھالی بے پرواہ قسم کی اُڑان کا نام ہے۔''

''غبارِ خاطر'' کو بغور دیکھیں تو قاری کو ایک نئی دنیا نظر آتی ہے۔اُس کی نثر ایسی شگفتہ اور دل نشیں ہے کہ قاری کے دامن کو اس طرح کھینچ لیتی ہے کہ عربی وفارسی کی مشکل ترکیبیں بوجھل معلوم نہیں ہوتیں۔ان خطوط میں مولانا نے اپنی تعلیم وتربیت، نشونما، افکار وخیالات، تاثرات و میلانات، معمولات ومشاغل کا ذکر کیا ہے تو ایک خط میں مولانا نے اپنی اہلیہ کی علالت ووفات کا ذکر کیا ہے۔ یہاں مولانا کا اسلوب ان کے قلبی کیفیات کی تصویر پیش کرتا ہے۔

''13/1 اگست کو جب میں بمبئی کے لیے روانہ ہونے لگا تو وہ حسبِ معمول دروازے تک خدا حافظ کہنے کے لیے آئی..... اُس نے خدا حافظ کے سوا کچھ اور نہیں کہا۔لیکن وہ کہنا بھی چاہتی تو اس سے زیادہ کچھ

www.urduchannel.in

نہیں کہہ سکتی تھی، جو اس کے چہرے کا خاموش اضطراب کہہ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں خشک تھیں، مگر چہرہ اشکبار تھا..... شائد اُسے صورتحال کا ایک مجہول احساس ہونے لگا تھا۔ وہ خدا حافظ اس لیے نہیں کہہ رہی تھی کہ میں سفر کر رہا تھا، وہ اس لیے کہہ رہی کہ خود سفر کرنے والی تھی۔''

(غبارِ خاطر۔ خط نمبر 21 صفحہ نمبر 23)

آئندہ دو خطوط میں خدا کی ہستی اور کائنات پر فلسفیانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک خط میں فرانسیسی مصنف ژواین ویل کی تصنیف کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ ایک خط میں انا نیتی ادب کا ذکر ملتا ہے تو آخری خطوط کے بیشتر حصوں میں فنِ موسیقی پر خامہ فرسائی ہوئی ہے۔ اس مجموعے کے بعض خطوط بہت معمولی باتوں سے متعلق ہیں۔ مثلاً حکایتِ زاغ و بلبل (خط نمبر 18) چڑیا چڑے کی کہانی (نمبر 20-19) بظاہر ایسے عنوان ہیں جن سے متعلق زیادہ نہیں لکھا جا سکتا۔ لیکن مولانا کی جولانیٔ قلم کا کرشمہ ہے کہ ان پر 45 صفحات قلمبند کر دیے۔ چائے نوشی کا ذکر دیکھیں تو چائے کی پتی، اُس کی کاشت کی تاریخ، اُس کے لوازمات، ان سب باتوں کا ذکر ایسے چٹخارے کے ساتھ کیا ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ یہ چائے نہیں بلکہ شرابِ طہور ہے۔ پینے کو چائے سبھی پیتے ہیں لیکن مولانا کا یہ خط پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ ہم نے آج تک چائے کبھی پی ہی نہیں۔ یہ مولانا کے حسنِ انشا اور قوت بیان کا معجزہ ہے۔ موسیقی اور اُس کے کمالات پر تو گویا مولانا قربان نظر آتے ہیں۔ غبارِ خاطر کے اسلوبِ نگارش میں طنز و مزاح کے نشتر بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔ ظرافت صرف ہنسنے ہنسانے کا کام نہیں بلکہ اخلاقی نکتہ چینی بھی ہے۔ مثلاً مولانا چائے نوشی کے نسخوں کی مذمت، ایک مکتوب میں اس طرح کرتے ہیں:

''سترھویں صدی میں جب انگریز چائے سے آشنا ہوئے تو نہیں معلوم اُن لوگوں کو کیا سوجھی کہ انہوں نے دودھ ملانے کی بدعت ایجاد کی۔ چوں کہ ہندوستان میں چائے کا رواج انہی کے ذریعے ہوا، اس لیے یہ بدعت

www.urduchannel.in

یہاں بھی پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ لوگ چائے میں
دودھ ڈالنے کے بجائے دودھ میں چائے ڈالنے لگے۔''

(ایضاً خط 15 ص 153)

''غبارِ خاطر'' کے صفحات میں ابوالکلام نے فطرت کے مظاہر و مناظر سے جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے' پھولوں' پھلوں' بیل بوٹوں کے حسن و جمال' دلفریبی اور دل کشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ چشمِ تصور کے سامنے ایک سرسبز و شاداب باغ لہلہانے لگتا ہے تو دوسری طرف مختلف جانوروں کی شکل وصورت' عادات و اطوار کی جزئیات ملتی ہیں۔ یہ مولانا کا ہی کمال ہے کہ انہوں نے پرندوں کو حیاتِ جاویداں بخشی ہے۔ اقبال نے شاہین کو حیات عطا کی تو مولانا نے چڑیا اور چڑے کی کہانی سے موتی اور قلندر کو جیتا جاگتا پیکر بنا دیا۔

ابوالکلام کے مزاج کی تشکیل میں خاندانی اور موروثی عناصر کے علاوہ دورِ مغلیہ کے تہذیبی' ثقافتی اور ادبی قدروں کا بھی حصہ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آزادیٔ ہند کے وقت سیاسی و سماجی رجحانات' ادب دوست حضرات کی صحبت اور عربی ذوق و ذہن کے ریشے بھی مولانا کے مذاق میں شامل تھے۔ چناں چہ ان تمام کلیات کو مولانا نے زندگی کا وہ فلسفۂ حیات بنایا' جس میں یقیں محکم اور عمل پیہم کے ساتھ ساتھ فراخ دلی اور حوصلہ مندی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ غبارِ خاطر کے بیشتر صفحات اس کے ترجمان ہیں۔ اس میں اسلام کی روایات کے ساتھ تصوف و وجدان' عشقِ مجاز' عشقِ حقیقی سبھی کچھ موجود ہے۔ قید و بند کی زندگی کو مولانا نے ایسے قالب میں ڈھالا تھا کہ جس کا دستور العمل ''ہر وقت خوش رہو اور ناگوار حالات کو خوشگوار بناؤ'' تھا۔ مولانا خوش رہنے کو محض ایک طبعی احتیاج نہیں بلکہ اخلاقی ذمے داری بھی سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ہماری زندگی ایک آئینہ خانہ ہے' یہاں ہر چہرے کا عکس بیک وقت
سینکڑوں آئینوں میں پڑنے لگتا ہے۔ اگر ایک چہرے پر بھی غبار آجائے تو
سینکڑوں چہرے غبار آلود ہو جائیں گے۔ ہم میں سے ہر فرد کی زندگی محض

www.urduchannel.in

ایک انفرادی واقعہ نہیں ہے وہ پورے مجموع کا حادثہ ہے۔ دریا کی سطح پر
ایک لہر تنہا اُٹھتی ہے لیکن اس ایک لہر سے بے شمار لہریں بنتی جاتی ہیں۔ ہم
خود خوش رہ کر دوسروں کو خوش کرتے ہیں اور دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش
ہونے لگتے ہیں۔'' (ایضاً خط 9 ص 74)

''غبارِ خاطر'' کے صفحات کہیں رومان سے بھرے ہیں' یوں بھی مولانا کا شمار اردو کے رومانی نثر نگاروں میں ہوتا ہے اور اُن کا رومانی طرزِ تحریر اور دل کا گداز اپنے اظہار و تعبیر کے لیے شعر کا سہارا لیتا ہے۔ وہ کبھی شعر لکھتے ہیں تو کبھی اُس کی معنیٰ آفرینی سے کام لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں استعارے اور تشبیہات کا انتخاب اُن کے سلیقے اور حسن جمال کا ثبوت ہے۔ ایسی مثال اردو میں چیدہ چیدہ ہی نظر آتی ہے۔ اشعار اُن کے حافظے پر اس طرح چسپاں تھے جس طرح محاورے عام اہلِ قلم کی نوکِ زباں پر ہوتے ہیں۔ یہ تخیل اور جذبات و جمالیات کا آرٹ صرف مولانا کا ہی آرٹ تھا۔

مولانا کی انانیت پسندی:

17 اور 18 اکتوبر کے خطوط میں یکا یک مولانا کا ذہن خدا کی ہستی اور کارخانۂ وجود کے معمے کو حل کرنے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ زندگی اور حرکت کا یہ کا خانہ کیا ہے؟ اور کیوں کر ہے؟ اس کی ابتدا اور انتہا کیا ہے؟ خود انسان کیا ہے؟ یہ تمام مسائل اور اُن کے حل کو ہم ڈھونڈنا چاہتے ہیں اور جب سے انسان نے ہوش و آگہی کی آنکھیں کھولی ہیں' اس معمے کا حل ڈھونڈ رہا ہے۔ ایک راز حل ہوتا ہے تو سو نئے راز عیاں ہوتے ہیں۔ مولانا کے نزدیک ان تمام مسائل کا حل عقل و علم کی روشنی کے ساتھ ساتھ وجدانی یقین بھی ہے۔ کیوں کہ کائنات کے تمام اعمال و مظاہر اور نظامِ ربوبیت کا موجود ہونا ہر انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ ایک کوئی ایسی زبردست قوت ہے جو کائنات کے پسِ پردہ ہے اور اسی کے ایماء و اشارے پر سازِ ہستی وجود میں آتا ہے۔ مولانا نے اس مسئلے کی یوں وضاحت کی ہے۔

مولانا نے انانیت کو ایک فطری جوش و امنگ سے تعبیر کیا ہے جس کے بغیر کوئی فنکار نہیں

www.urduchannel.in

رہ سکتا۔ مولانا نے ٹالسٹائی، فیضی، ابوفراز ہمدانی، ابن سینا الملک، فردوسی، اور میر انیس کے ''ایگو'' سے متعلق نقوش غبارِ خاطر میں تحریر کیے ہیں۔ وہ خود کو ابنِ تیمیہ، رازی اور غزالی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ امام الہند ہونے کا دعویٰ بھی مولانا کی انا کو تقویت دیتا ہے۔ نیز، ان کا مغرورانہ احساس بھی ہمہ وقت ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ مولانا نے غبارِ خاطر کے بعض مکاتیب میں جس انانیتی جذبے کا اظہار کیا ہے، وہ مولانا کے انانیتی مزاج کی صدائے بازگشت معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً مولانا نے چائے نوشی سے متعلق خاص عادات وطریقہ کار کو پیش کیا ہے، جس سے ان کی ایگو کا عکس نمایاں ہوتا ہے۔ لوگوں کو جو لذت مٹھاس میں ملتی ہے، مولانا کو نمک میں ملتی ہے۔ کھانے میں نمک ملا ہوا ہے، مگر وہ اوپر سے اور چھڑک لیتے تھے۔ وہ صباحت کے نہیں ملاحت کے قائل تھے۔

9/جنوری 1943ء کا مکتوب مولانا کے انانیتی ادب کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ مولانا کی اہم خاصیت تھی کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ سیاسی ہنگاموں سے منہ موڑ کر شعر وادب کی دنیا میں پناہ لے لیتے، سنجیدہ موضوعات سے ہلکے پھلکے موضوعات کی طرف آجاتے۔ اُنہیں اپنے جذبات و احساسات پر قابو پانے کا ہنر آتا تھا کی ضروری خارجی واقعات اُن کے معمولات پر اثر نہیں ڈال پاتے تھے۔ مولانا خود اپنے دور کا سب سے بڑا ''ایگو'' تھے چناں چہ وہ ایک عام تخیلی زاویۂ نگاہ سے لے کر فلسفہ واخلاق، مذہب، خودی اور تصوف کے ہر گوشے کو روشن کرتے ہیں۔ مولانا نے ایک خط میں قاری کو انانیت سے اس طرح واقف کروایا ہے کہ ایک ادیب، ایک شاعر، ایک مصور، ایک اہلِ قلم کی انانیت کیا ہے۔؟ ابھی نہ تو فلسفۂ اخلاق کے مذہبِ انا کا رخ کیجیے نہ خودی یا تصوف میں جائیے صرف ایک عام تحلیلی زاویۂ نگاہ سے معاملے کو دیکھیے۔ آپ کو صاف دکھائی دے گا کہ یہ انانیت دراصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی فکری انانیت اُن کے نزدیک فطری سرجوش ہے، جسے دبایا نہیں جاسکتا اور کوئی اسے دبانا چاہے تو مزید ابھرنے لگتا ہے۔ روسو، اناطول فرانس، آندرے، ابن خلدون، بابر، جہاں گیر وغیرہ کی انانیت پسندی کے معترف ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ ابوالعلی معرّی کا لامیہ قصیدہ، ابن ثنا الملک کے اشعار، فردوسی اور فیضی کا نل ودمن میں اپنے متعلق اشعار اور اسی طرح کے دیگر

www.urduchannel.in

اکتساباتِ شعروادب محض شاعرانہ تعلّی نہ تھی بلکہ ایک پُر جوش انفرادیت تھی۔ یہ انفرادیت کہیں دھیمے سروں میں بولتی تو کہیں اتنی پُر جوش ہوتی ہیں کہ سارا گرد وپیش گونج اُٹھتا ہے۔ مولانا انا کی زندہ و پائندہ مثال تھے۔ اس بات کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ مولانا نے حکومت سے کوئی احسان قبول نہیں کیا۔ اس سلسلے میں مولانا قید و بند کی زندگی کا سامنا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اخبارات یہاں بارہ سے ایک بجے کے درمیان آیا کرتے ہیں۔ میرے کمرے کے سامنے دوسری طرف سپرنٹنڈنٹ کا دفتر ہے۔ جیلر وہاں سے اخبار لے کر سیدھا کمرے میں آتا ہے، جوں ہی اُس کے دفتر سے نکلنے اور چلنے کی آہٹ آنا شروع ہوتی تھی' دل دھڑکنے لگتا کہ نہیں معلوم آج کیسی خبر اخبار میں ملے گی..... جب جیلر آتا تو میں حسبِ معمول مسکراتے ہوئے اشارہ کرتا کہ اخبار ٹیبل پر رکھ دے اور پھر لکھنے میں مشغول ہو جاتا ۔گویا اخبار دیکھنے کی کوئی جلدی نہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ تمام ظاہرداریاں دکھاوے کا ایک پارٹ تھیں۔ جسے دماغ کا مغرورانہ احساس کھیلتا رہتا تھا اور اس لیے کھیلتا تھا کہ کہیں اس کے دامنِ صبر وقرار پر بے حالی اور پریشان خاطری کا کوئی دھبہ نہ لگ جائے۔''

(غبارِ خاطر خط 21 ص240)

مولانا نے اپنی طرزِ زندگی کا ایک فیصلہ کر لیا تھا کہ حکومتِ وقت سے کوئی درخواست نہیں کریں گے' تو پھر سب نے خاموشی اختیار کر لی اور اس طرح اُن کے طریقہ کار میں کسی طرح کی مداخلت نہیں ہوئی۔ جب مولانا کی اہلیہ زلیخا بیگم کا انتقال ہوا اور مولانا چاہتے تو انگریز حکومت سے گھر جانے اور اہلیہ کی زیارت کرنے کی درخواست کر سکتے تھے۔ موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے حکومتِ وقت بھی' انہیں کچھ دن کے لیے ضرور گھر بھیج دیتی۔ لیکن مولانا کی انانیت اور اصول پسندی نے یہ گوارا نہیں کیا۔ اب یہاں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا مولانا کو اہلیہ سے محبت نہیں تھی۔؟ اس

www.urduchannel.in

کا جواب ہمیں مولانا کے درج ذیل خط سے ملتا ہے:

''اس طرح ہماری 36 برس کی ازدواجی زندگی ختم ہوگئی اور موت کی دیوار ہم دونوں میں حائل ہوگئی۔ ہم اب بھی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں مگر اسی دیوار کی اوٹ سے۔ مجھے ان چند دنوں کے اندر برسوں کی راہ چلنی پڑی ہے، میرے عزم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا' مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے پاؤں شل ہوگئے ہیں۔ یہاں احاطے کے اندر ایک پُرانی قبر ہے' نہیں معلوم کس کی ہے! جب سے آیا ہوں سینکڑوں مرتبہ اس پر نظر پڑھ چکی ہے۔ لیکن اب اُسے دیکھتا ہوں تو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے ایک نئے طرح کا انس' اس سے طبیعت کو پیدا ہوگیا ہے۔ کل شام کو دیر تک اسے دیکھتا رہا۔'' (ایضاً خط 21 ص 241)

چڑیا چڑے کی کہانی:

مولانا نے اس کہانی میں جس قوتِ مشاہدہ کو پیش کیا ہے' وہ اردو نثر میں جزئیات نگاری اور منظر کشی کا بہترین سرمایہ ہے۔ مولانا نے قلعہ احمد نگر کے ایک کمرے میں چڑیوں کی زندگی اور افعال کا مطالعہ کر کے زندگی کی کرشمہ سازیوں کا جو تماشہ دکھایا ہے اور نتائج اخذ کیے ہیں' اس پر قاضی عبدالغفار کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ

''مولانا نے چڑیا چڑے کی کہانی میں اپنے ادیبانہ افکار کو کچھ اس طرح پھیلا دیا ہے کہ اس مخروطی آئینے کے جس پہلو کو دیکھیے' زندگی کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔''

(غبارِ خاطر کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد ص 124 اشاعت اپریل 1971ء)

مولانا نے کرّہ ہوا کے ان سیلانیوں سے اپنی رسم وراہ کے ذریعے انسان کو تحریک دینے کی کوشش کی ہے۔ جیل کے باورچی خانے سے کچے چاول منگوا کر وہ سامنے دری پر چھڑکتے ہیں۔

www.urduchannel.in

کچھ دیر تک چڑیوں نے ان پر توجہ نہیں کی مگر دانوں کی کشش ایسی نہ تھی کہ اُن کا تغافل دیر تک قائم رہتا۔ پہلے ایک چڑیا آئی اور ادھر ادھر کودنے لگی، پھر دوسری اور تیسری، چوتھی بھی پہنچ گئی۔ کبھی دانوں پر نظر پڑتی، کبھی دانہ ڈالنے والے پر۔ ناگہاں ایک تنومند چڑے نے جو اپنی قلندرانہ بے دماغی اور رندانہ جرأتوں کے لحاظ سے پورے حلقے میں ممتاز تھا۔ سلسلہ کار کی درازی سے اکتا کر بے باکانہ قدم اٹھالیا۔ اس کا ایک قدم اٹھنا تھا کہ معلوم ہوا جیسے اچانک رکے ہوئے قدموں کے بندھن کھل پڑے۔ سارا مجمع دانوں پر ٹوٹ پڑا۔ واقعے کے اس موڑ پر پہنچ کر مولانا یکا یک اپنے کمرے کا رخ زندگی کے ایک مخصوص پہلو کی طرف موڑ دیتے ہیں اور اس واقعے سے قارئین کو درس دیتے ہیں کہ:

> ''غور کیجیے تو اس کارگاہِ عمل کے ہر گوشے کی قدم رانیاں ہمیشہ اسی ایک قدم کے انتظار میں رہا کرتی ہیں، جب تک کہ نہیں اٹھتا، سارے قدم زمین پر گڑھے رہتے ہیں۔ یہ اٹھا اور گویا ساری دنیا اچانک اُٹھ گئی۔''
>
> (خط نمبر 19 صفحہ نمبر 217 ایڈیشن 2013ء)

مولانا نے موتی (چڑیا) کے بچے کی حرکات وسکنات کا جس تفصیل کے ساتھ مشاہدہ و مطالعہ کیا ہے وہ ایک بڑا مصور ہی کر سکتا ہے۔ مولانا نے بچے کے اڑنے کی استعداد کا منظر زندگی کی ساری کاوشوں کا حاصل بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''چڑیا کے بچے میں اڑنے کی استعداد اُبھر چکی ہے۔ وہ اپنے کنج نشیمن سے نکل کر فضائے آسمانی کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ مگر ابھی تک اُس کی خود شناسی کا احساس پیدا نہیں ہوا تھا، جوں ہی اس کی سوئی ہوئی خود شناسی جاگ اُٹھی اُسے حقیقت کا عرفان حاصل ہو گیا کہ میں اڑنے والا پرندہ ہوں۔ اچانک قالبِ بے جان کی ہر چیز از سرِ نو جاندار بن گئی''۔
>
> (خط نمبر 20 صفحہ نمبر 232 ایڈیشن 2013ء)

چناں چہ اس کہانی کے اختتام پر مولانا کا نقطۂ نظر یوں سامنے آتا ہے کہ چڑیا کا بچہ

www.urduchannel.in

جب تک ''خود شناسی'' کے جذبے سے بے خبر تھا' اس کے اندر کا چولہا کچھ اس طرح ٹھنڈا تھا کہ باہر کی گرم جوشی بھی اسے گرم نہیں کر سکتی تھی۔ ٹھیک اسی طرح انسان کے اندر کی خود شناسی بھی جب تک سوئے رہتی ہے باہر کا کوئی ہنگامۂ سعی اسے بیدار نہیں کر سکتا ' لیکن جوں ہی اس کے اندر کا طوفان جاگتا ہے تو اُس کی چھپی ہوئی طاقت' حقیقت طشت از بام ہوتی ہے اور پھر چشم زدن کے اندر سارا انقلابِ حال انجام پاتا ہے۔ یہی ایک چشم زدن کا وقفہ زندگی کے پورے افسانے کا خلاصہ ہے۔ مولانا کا یہ فلسفۂ خود شناسی علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی سے بڑی حد تک ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ مولانا نے اس کہانی کے ذریعے تمام عالمِ انسانیت کو حرکت و عمل کا پیغام دیا ہے۔ وہی پیغام جو شاہین و شہباز کے رموز و علائم میں اقبال نے دیا تھا۔

مولانا نے کئی خطوط میں ابتدائی زمانے سے لے کر حال کے ترقی یافتہ دور بنی نوعِ انسان کا مطالعہ سائنسی تناظر میں کیا ہے۔ کہیں وہ بیسویں صدی کی مشہور شخصیت اور نامور سائنس داں البرٹ آئن اسٹائین کی کتاب The evalvation of philosophy کا حوالہ دیتے ہیں اور علمِ طبیعات کے عصری نظریات کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی عقائد سے متعلق فلسفوں سے رجوع ہوتے ہیں اور کبھی سائنس سے متعلق نظریۂ کشش ثقل' علم فلکیات اور نظریۂ اضافیت relativity Theory of کی وضاحت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا کے خطوط میں وقت' مادہ' پھول پودوں کی ساخت' وضع قطع وغیرہ کے ساتھ طیورات (علم حیوانات کی وہ شاخ جس میں تفصیلی طور پر ندوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے) پر تفصیلی بحث ملتی ہے۔

غبارِ خاطر انفرادی نوعیت کی کتاب ہے' جس کا لہجہ سنجیدہ اور مفکرانہ ہے۔ زبان اور اسلوبِ بیان میں علم و ادب کی فنکارانہ گھلاوٹ ہے' جس کی وجہ سے مولانا آزاد کی یہ تصنیف اردو نثر میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ غبارِ خاطر کے اکثر خطوط نجی خط و کتابت کے نہیں ہیں۔ جیل کی تنہائی میں مولانا نے اپنی عارفانہ دانشوری کی تابانی کو جستہ جستہ کر کے فکر و نظر کی راہوں میں بکھیر دیا ہے۔ غبارِ خاطر کے متفرق موضوعات کا اصل سر رشتہ زندگی ہے۔ اپنی پیچیدگیوں' نیرنگیوں اور

www.urduchannel.in

رعنائیوں کے ساتھ۔

مولانا کے مکاتب پر نظر ڈالیں تو جو چیز سب سے پہلے سامنے آتی ہے وہ مولانا کا پسِ منظر ہے۔ اسی پس منظر پر افکار و احساسات کی تمام جلوہ طرازیوں نے اپنی اپنی جگہ بنائی ہے۔ قلعہ احمد نگر کی بند عمارت میں ہر دوسرے تیسرے دن حالات کی تحریک مولانا کے خیالات میں جنبش پیدا کرتی رہتی ہے اور جو کچھ دماغ میں ابھرتا ہے، وہ بے لاگ طریقے سے نوکِ قلم کے حوالے ہو جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ایسے حوصلہ فرسا حالات میں اُن کا دماغی پسِ منظر کیا تھا اور وقت کے تمام مخالفانہ حالات کو کس نظر اور کس مقام سے دیکھ رہا تھا۔ یہی وہ دماغی پسِ منظر کی نوعیت ہے، جس سے ہر عظیم شخصیت کا مقام دنیا کے آگے نمایاں ہوتا ہے۔

مولانا کے خطوط پر اعتراضات بھی ہوئے کہ الہلال اور البلاغ کی بہ نسبت غبارِ خاطر میں خیالات کی پیش کشی کو مشکل بنا دیا گیا ہے۔ یہ ٹھیک کم اور غلط زیادہ ہے اور یہ خطوط قید و بند میں میسر فرصت کے لمحات کی یادگار ہیں وغیرہ۔ یہ صحیح ہے کہ احمد نگر میں ان کو فرصت و فراغت کے لمحات میسر تھے، لیکن صرف فرصت و فراغت کے لمحات ہی ایسی زندۂ جاوید تصاویر بنانے کے لیے درکار نہیں ہوتے۔ اس کے لیے عادت و اطوار کے مطالعے اور مشاہدے کے ذوق کے علاوہ زبان و بیان پر اُس قدرت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، جو ابوالکلام کے حصے میں آئی تھی اور قید و بند کے لمحات میں اُن کی ساری توانائیوں کو یکجا کر کے خطوط لکھنے پر مائل کیا تھا۔ اب چاہے وہ خود کلامی ہو یا اُن کے علمی مظاہرے کا ذریعہ، بہر حال اس کہانی میں ہم مولانا کی زندگی کا ایسا رخ دیکھتے ہیں جو مخصوص فطری رجحانات اور نہاں بیدار قوتِ مشاہدہ کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ غرض پوری کتاب جواہر ریزوں سے بھری پڑی ہے، جو آرٹ کا بیش قیمت نمونہ ہے۔

حسن اتفاق سے آخری قید کے دوران انہوں نے ادبی مضامین اور انشائیے خطوط کی شکل میں قلم بند کیے، وہ بعد میں ''غبارِ خاطر'' کے عنوان سے شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن حکیم اجمل خان نے مع مقدمہ مئی 1946ء کو شائع کروایا، جو اپنی مقبولیت کے باعث صرف تین مہینے میں

www.urduchannel.in

فروخت ہوا۔ یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ غبارِ خاطر مولانا کے عہدِ کہولت بلکہ بڑھاپے کی یادگار ہے' لیکن کوئی شخص اسے پڑھ کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کسی تھکے ہوئے دماغ یا قلم کی تخلیق ہے۔ یہاں بھی اُن کے ذہن کی گرم جولانی اور قلم کی گل افشانی میں وہی وسعت اور دلکشی ہے' جو روزِ اول سے اُن سے منسوب رہی۔

مولانا کا تصورِ حیات:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے اور مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔ زندگی کسی مفلس کی قبا ہے' جس میں ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں۔ زندگی پیہم رواں' جاویداں' ہر دم جواں رہتی ہے۔ زندگی چند عناصر کا ظہورِ ترتیب ہے اور موت انہی اجزاء کا پریشان ہونا ہے۔ زندگی ایک معمہ ہے جسے نہ سمجھا جا سکتا ہے نہ سمجھایا جا سکتا ہے۔ اس طرح زندگی سے متعلق بیشتر شعراء و ادباء کے تاثرات زیرِ مطالعہ آتے ہیں۔ مولانا آزاد نے بھی زندگی سے متعلق بیشتر خطوط میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک خط میں وہ مشہور مورخ یحییٰ برمکی کے حوالے سے ایک اعرابی کی صورتِ حال بیان کرتے ہیں کہ وہ میدان سے پتھروں کے ٹکڑے دن بھر جمع کرتا ہے اور پتھروں کا ڈھیر لگاتا ہے۔ لیکن' شام کے ہوتے ہوتے انہی پتھروں کو جہاں سے لایا تھا وہیں واپس پھینک آتا ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ انسان ساری عمر دو ہی کاموں میں بسر کرتا ہے۔ ایک صبحِ تمنّا کے سنگ ریزے جمع کرتا ہے یا شامِ نامرادی کی حالت میں وہی سنگ ریزے واپس پھینک دیتا ہے۔

بہت سے لوگ زندگی بھر مختلف عادتوں اور علتوں کے شکار رہتے ہیں۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی عادتوں کے ترک کرنے سے باز نہیں آتے۔ جیسے مولانا خود بھی چائے نوشی اور سگریٹ کے شدید عادی تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے چائے پیتے اور چائے کے گھونٹ کے ساتھ ہی متصلاً سگریٹ کے کش سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ ایک مرتبہ دورانِ قید و بند تقریباً دو سال کے لیے مولانا نے سگریٹ نوشی سے پرہیز کیا۔ لیکن رہائی کے دن جیسے ہی جیلر نے سگریٹ پیش کیا مولانا نے اسی لمحہ سگریٹ سلگا لیا۔ ''نہ ترک میں دیر لگی تھی' نہ اختیار میں جھجک ہوئی''، یعنی انسان کو

www.urduchannel.in

ترک و اختیار پر ہمیشہ قابو رہنا چاہیے۔ مولانا ان عادتوں کو زندگی کی غلطیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ خودساختہ علتوں اور غلطیوں سے متعلق مولانا لکھتے ہیں کہ:

''اس روزگارِ خراب میں زندگی کو زندگی بنائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور کرنی چاہیے۔ وہ زندگی ہی کیا ہوئی، جس کے دامنِ خشک کو کوئی غلطی تر نہ کر سکے..... کچھ ضروری نہیں کہ آپ اس ڈر سے ہمیشہ اپنا دامن سمیٹے رہیں کہ کہیں بھیگ نہ جائے۔ بھیگتا ہے تو بھیگنے دیجیے۔ لیکن آپ کے دست و بازو میں یہ طاقت ضرور ہونی چاہیے کہ جب چاہا، اس طرح نچوڑ کے رکھ دیا کہ آلودگی کی ایک بوند بھی باقی نہ رہی۔''

(غبارِ خاطر۔ خط 4 ص16)

خدا نے انسان کو مختلف اعضاء ودیعت کیئے ہیں۔ جیسے دل دماغ، آنکھ، کان، ناک وغیرہ جس سے وہ مختلف النوع کام لیتا ہے، لیکن دو اور قوتیں اللہ پاک نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں، وہ ادراک و احساس ہے۔ ادراک ہی دراصل شعور ہے، اور شعور کا دوسرا نام آگاہی ہے۔ اسی شعور کے ذریعے انسان تشخص ذات سے دو چار ہوتا ہے اور ایسی کیفیت ہی اسے ''انا پرست'' بناتی ہے، جسے "Ego" کہتے ہیں۔ وفی انفسکم افلا تبصرون یعنی خود اپنی حقیقت سے بے خبر رہنا اور وصفِ خود شناسی سے مبرّا ہونا شعور ذات سے مبرّا ہونے کے مترادف ہے۔ جو قوم اپنے شعور سے مبرّا ہوتی ہے وہ کبھی تاریخ کے صفحات پر اپنے نقش مرتسم نہیں کر سکتی اور اُس کی حیثیت بس خس و خاشاک و خس کے تودے کی طرح ہوتی ہے، جن کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔ مولانا نفس کے متعلق لکھتے ہیں کہ انسان ساری زندگی نفس کے معمے کو حل نہیں کر سکتا۔ انسان کے اندر کی بے طاقتی، غفلت، عادتوں کی کھائیاں، اس کی شخصیت کو چر کے لگانے والا موت کا مہیب تصور، دماغ اور جسم کے متضاد تقاضے، خواہشوں اور ارادوں کا قصرِ نحیف، بے ثباتی اور بے بضاعتی کا احساس زندگی کو ناگوار بناتا ہے اور زندگی کی معنیٰ خیزی زندگی کے تقاضوں کا جواب دینے اور مقاصدِ حسنہ

www.urduchannel.in

کے حصول سے ہاتھ آتی ہے اور مقاصد کا حصول کسل مندی اور آرام طلبی سے ممکن نہیں۔

اللہ پاک کی عنایت کردہ دوسری بڑی قوت احساس ہے، جس کے سہارے انسان، خوشی وغم، دکھ سکھ اور ہمدردی وایثار سے کام لیتے ہوئے انسانیت کے بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ مولانا اسی احساس کے سہارے خلوت کو انجمن سمجھتے ہیں اور آگاہی و تجربے کو بارِ امانت سے تعبیر کرتے ہیں۔ زندگی کے کارناموں اور فتوحات کو تجربات کی بخشی ہوئی متین افسردگی سمجھتے ہیں اور زندگی کو امید کے تارِ عنکبوت اور حسرت کے ایک جلتے ہوئے تنکے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ ''زندگی کارناموں اور فتوحات کا نام نہیں بلکہ تجربوں اور تجربوں کی بخشی ہوئی متین افسردگی، ایک سوچتے ہوئے سکوت، ضبط واستغنا کے زائیدہ ایک فلسفیانہ وقار کا مرقع ہے اور جس سطح پر پہنچنے کے بعد زندگی کے کھیل میں ہار جیت کا فرق بے معنیٰ ہو جاتا ہے اور رنج وراحت کے احساس کو مولانا اضافی جانتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ رنج وراحت ایک اضافی تصور ہے۔ اضافتیں بدلتے جاؤ۔ راحت والم کی نوعیتیں بھی بدلتی جائیں گی۔ علامہ اقبال نے اپنے بیشتر اشعار میں وصل سے زیادہ ہجر کو اہمیت دی ہے۔

عالمِ سوز وساز میں وصل سے بڑھ کر ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو ہجر میں لذتِ طلب

مولانا بھی طلب وسعی کی زندگی کی لذت سے تعبیر کرتے ہیں اور مطلوب کی تلاش اور راہِ تلاش کو ضروری گردانتے ہیں اور بے مقصد زندگی کو بے کار جانتے ہیں۔ کچھ طبیعتیں قانع ہو کر مقصدیت کی پیاس کو بجھا لیتی ہیں تو کچھ طبیعتیں ایسی بھی ہوتی ہیں، جن کے لیے صرف مشغولیت کافی نہیں ہوتی، وہ زندگی کا اضطراب بھی چاہتی ہیں۔

مولانا کی طبیعت موخر الذکر زمرے میں آتی ہے۔ انہوں نے اپنی کامرانیوں کا راز دل زندہ کو بتایا ہے۔ کوئی حالت ہو، کوئی جگہ ہو، اُن کے دل کی تڑپ کبھی دھیمی نہیں ہونے پاتی۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ جہانِ زندگی کی ساری رونقیں اسی میکدۂ خلوت

www.urduchannel.in

سے ہیں۔ یہ اجڑا اور ساری دنیا اُجڑ گئی۔ مولانا کے لیے اصلی عیش دماغ کا ہے، جسم کا نہیں۔ ''غبارِ خاطر'' میں وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''عیش و مسرت کی جن گل شگفتگیوں کو ہم چاروں طرف ڈھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے وہ ہمارے نہاں خانۂ دل کے چمن زاروں میں ہمیشہ کھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں، لیکن محرومی ساری یہ ہوئی کہ ہمیں چاروں طرف کی خبر ہے مگر خود اپنی خبر نہیں۔ ہم اپنے سے باہر ساری چیزیں ڈھونڈتے رہیں گے، مگر اپنے کھوئے ہوئے دل کو کبھی نہیں ڈھونڈیں گے، اگر اسے ڈھونڈ نکالیں تو عشرت و مسرت کا سارا سامان اسی کوٹھری کے اندر مل جائے گا۔'' (غبارِ خاطر: خط 9 ص 69)

زندگی کے بازار میں جنس بے بہا کے مقابلے میں مولانا کو دل کی دولت زیادہ پسند ہے۔ وہ ہمیشہ متاعِ نو کی جستجو میں رہتے ہیں۔ قید خانے کی زندگی کو نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اُس زندگی سے راضی بہ رضا ہو کر خود رفتگی اور خود مشغولی کا مرقع بن جاتے ہیں۔ قید و بند کی زندگی میں بھی حریمِ دل کے طاقوں کو سجا کر نئے نقش و نگار سے آراستہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ فطرت کے اشاروں کو سمجھتے ہیں اور قید خانے کی زندگی کو بھی خطوط میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ باہر کی دنیا کے قارئین کو وہ دنیا باہر کی دنیا اچھی دکھائی دیتی ہے۔

مولانا کا ذہن ہشت پہلو فکر و نظر سے مزین ہے۔ وہ مذہب ہو یا ادب، سیاست ہو کہ صحافت فکر و نظر کی عام راہوں سے ہٹ کر چلتے ہیں۔ وہ کبھی وقت کے قافلوں کا ساتھ نہیں دے سکے۔ جس راہ میں بھی قدم اٹھایا، وقت کی منزلوں سے دور ہوتے گئے۔ وہ اپنی طبیعت کی افتاد سے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ:

> ''بازار میں وہی جنس رکھی جاتی ہے، جس کی مانگ ہوتی ہے اور چوں کہ مانگ ہوتی ہے، اس لیے ہر ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہے اور ہر آنکھ اسے

www.urduchannel.in

قبول کرتی ہے۔مگر میرا معاملہ اس سے بالکل الٹا رہا۔جس جنس کی بھی عام مانگ ہوئی' میری دکان میں جگہ نہ پا سکی ..... لوگ بازار میں دکان لگاتے ہیں تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگاتے ہیں جہاں خریداروں کی بھیڑ لگتی ہو۔میں نے جس دن اپنی دکان لگائی تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگائی جہاں کم سے کم گاہکوں کا گذر ہو سکے۔'' (غبارِ خاطر۔خط 11 ص92)

مولانا کا مزاج دوسرے ادیبوں' شاعروں' نقادوں اور محققوں جیسا نہیں ہے۔وہ انانیت کے علمبردار ہیں۔اپنی شاہراہ خود بناتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے تحریر کیا وہ ان کی زندگی میں فسانہ بن گیا۔کوئی دوسرا اُن جیسی تحریر' اُن کا اسلوبِ نگارش نہ بنا سکا۔مولانا بھی غالب کی طرح اپنی نثر اور اپنے فن کے امام تھے۔تبھی تو وہ کہتے ہیں کہ:

''کوئی اپنا دامن پھولوں سے بھرنا چاہتا ہے' کوئی کانٹوں سے اور دونوں میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ تہی دامن رہے۔جب لوگ کام جوئیوں اور خوش وقتیوں کے پھول چن رہے تھے تو ہمارے حصے میں تمنّاؤں اور حسرتوں کے کانٹے آئے۔انہوں نے پھول چُن لیے اور کانٹے چھوڑ دیے ہم نے کانٹے چُن لیے اور پھول چھوڑ دیے۔''

(غبارِ خاطر۔خط 6 ص46)

حوالہ جاتی کتب:

غبارِ خاطر۔مرتبہ: مالک رام ناشر: کتب خانہ خورشید یہ اردو بازار' لاہور
غبارِ خاطر کا تنقیدی مطالعہ: ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد
آثارِ آزاد۔مولانا ابوالکلام آزاد
فرموداتِ آزاد۔مولانا ابوالکلام آزاد

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی نثری خدمات

اردو کے علمی نثر کا آغاز صحیح معنوں میں سرسید سے ہوتا ہے۔ان کی تحریریں اردو میں اولین معتبر نمونہ کہلائیں لیکن سرسید کی نثر پورے طور پر استوار نہیں تھی، بعد کو مولانا حالی کی نثر دیکھیں تو سادگی وسلاست کے باوجود انگریزی، عربی الفاظ کا جا بجا استعمال نظر آتا ہے اس کے برخلاف مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے طرز نگارش کی آرائش پر توجہ دی مگر زیبائش کی فکر ان کے یہاں بسا اوقات تصنع کی حد تک پہنچی ہے۔مولانا شبلی کی نثر نے اردو ادب میں فصاحت وبلاغت کا ایک معیار عطا کیا۔ان کے عالمانہ ادب نے دارالمصنفین کی راہ ہموار کی اور لکھنے والوں کا حلقہ تیار کیا۔مولانا آزاد کے اسلوب کا تعلق اساتذۂ ادب کے درمیان شبلی کے مکتب فکر سے ہے اور مولانا کی طرز تحریر کے کئی ادوار ہیں۔

مولانا آزاد کی ابتدائی نثر:

''انگریزی محاورہ ہے کہ آدمی اپنے انداز سے پہچانا جاتا ہے۔(styel is the ma) یہ انداز آدمی کی پوری شخصیت کا ہوتا ہے۔جو اس کے گفتار، اسکے کردار سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ایک شخص کا بولا ہوا، لکھا ہوا، ہر ہر لفظ اسکی مخصوص شخصیت کا اشاریہ ہوتا ہے۔اس طرح اسلوب بیان کو اظہار شخصیت کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے۔فارسی کی مثل مشہور ہے کہ کوزے

www.urduchannel.in

سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔''

(ابوالکلام کا اسلوب نگارش۔عبدالمغنی۔ص 7۔1991 ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔)

''لسان الصدق'' کے دور میں سادگی اور بے تکلفی ہے' جسے مولانا الہلال کے دور میں شان وشوکت میں بدل دیتے ہیں' لیکن ترجمان القرآن اور غبارِ خاطر کا دور سلاست ونفاست کا نمونہ پیش کرتا ہے اور یہی مولانا کا حقیقی اسلوب ہے۔جس میں انہوں نے بہترین نثر اسی معیار پر لکھی۔جیسی شبلی نعمانی نے قائم کی۔مولانا کا ایک مقصدِ حیات تھا' وہ اپنے مشن کی تکمیل تقریر وتحریر اور اقدام وعمل کے ہر ممکن وسیلے سے کرنا چاہتے تھے۔ایک عالمِ دین' مدبر اور سیاستداں کی حیثیت سے وہ حکومت کے ساتھ ساتھ سماج کا نقشہ بدل دینا چاہتے تھے۔اُن کا عزم تھا کہ جدید صنعتی تمدن کو قدیم تہذیب کی اخلاقی قدروں سے مزین کیا جائے' تاکہ انسانیت کے مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان اشتراک وتوازن کی صورت میں پیدا ہو۔

مشرقی وہندوستانی معاشرہ انیسویں صدی کے آخر تک مضمحل' منتشر اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔ایشیا' آفریقہ اور مسلم ممالک پر جمود کی کیفیت طاری تھی۔اس فضا کو از سرِ نو قائم کرنے کے لیے تقریباً ایک ہی وقت میں ایک طرف پنجاب سے اقبال کا نغمۂ بیداری ابھرا اور دوسری طرف بنگال سے آزاد کا نعرۂ آزادی' جس طرح اقبال کی نظم نے دیدۂ بصیرت عطا کی اسی طرح آزاد کی نثر نے قوی میں چستی پیدا کر دی۔دونوں کی الگ الگ کاوشوں سے دل ودماغ مطمئن اور پر جوش تھے۔ غالب' سرسید' شبلی اور حالی اردو ادب میں جو کچھ کر چکے تھے اقبال اور آزاد نے اسے آگے بڑھایا اور ایک نیا رخ عطا کیا۔اردو نثر میں طرزِ آزاد کا ارتقاء اسی تناظر میں ہوا۔یہ ارتقاء بتدریج ہوا۔لسان الصدق' ترجمان القرآن' غبارِ خاطر اور تذکرہ کے اسلوب کو دیکھیں تو سادگی کے بعد پیچیدگی اور پیچیدگی کے بعد سادگی نظر آتی ہے۔آزاد کا اسلوب اپنے ذہن کے پیچ وخم سے ہم آہنگ ہے۔اس لحاظ سے طرزِ آزاد کے ارتقاء کی رفتار فطری' معقول اور پُر اثر ہے۔ابوالکلام کی نثر تخلیقی اوصاف کا درجہ رکھتی ہے' ان کے رقم کیے ہوئے بیشتر مضامین' انشائیے ورفلسفیانہ مضامین کے ذیل میں آتے

www.urduchannel.in

ہیں۔اسی طرح ان کی تحریریں' تقریریں' اداریے' تبصرے' بیانات' خطبات اور تفسیر و تحقیق میں تخلیقیت کی شان نظر آتی ہے۔مولانا کا اسلوبِ نگارش محض خطیبانہ نہیں ہے'اس میں تزئینِ کلام کے نقوش' صنائع بدائع' تشبیہ واستعارہ' کنایہ ظرافت' ضرب المثل وغیرہ کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔

مولانا نے اردو' عربی' فارسی کے علاوہ مغربی ادب میں انگریزی اور فرانسیسی کا مطالعہ کیا تھا۔جس کے باعث مغربی ادب کے صاحبِ طرز اُدبا کا اثر مولانا کے ذہن و اسلوب پر پڑا۔مولانا کا مزاج بہر حال مشرقی تھا اور وہ پیروئ مغرب کی طرف مائل نہیں ہوئے۔مولانا چاہتے تھے کہ جدید علوم سے نئی نسل بہرہ ور ہو جائے لہذا انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے اسلوبِ نگارش میں مشرق و مغرب کے طرزِ بیان کی خوبیاں بھی جمع کر لیں۔مولانا کے اسلوبِ نگارش کی ایک اہم خصوصیت ''انانیت'' بھی ہے' وہ اپنی بات لوگوں تک پہنچانا ہی نہیں بلکہ منوانا بھی چاہتے تھے۔وہ ادب میں کسی طرح کی بدسلیقگی کو گوارہ نہیں کرتے تھے۔اُن کا طرزِ اظہار سجا ہوا اور تراشیدہ تھا۔بقول شخصے:

> ''مولانا کی نثر ایک اچھی طرح لکھی ہوئی سجل' صاف اور روشن ہے۔جس کی آب و تاب میں ایک بانکپن ہے' جو پُر نشاط انانیت اور حسن شناسی کے متوازن اسلوبِ بیان کا طرۂ امتیاز ہے۔''

مولانا کی دلچسپیوں اور کارگزاریوں کے نقوش ان کی تحریر و تقریر اور صحافتی اسالیب کے مظہر ہیں۔اردو کا تخلیقی ادب بھی اس ابرِ کرم کے چھینٹوں سے فیضیاب ہوا ہے۔مولانا نے اوائلِ عمر میں اشعار کے علاوہ افسانے بھی لکھے اور پُر لطف سیاسی طنزیات کے نمونے بھی پیش کیے۔کہیں صحافتی میدان میں آگے بڑھے تو کہیں خطوط کے میدان میں ادب کا کلاسیکی سرمایہ چھوڑا۔الغرض مولانا نے اردو میں ایک ایسا اسلوبِ نگارش ایجاد کیا جو فارسی اور عربی علامتوں سے گراں بار اور بیش بہا تھا۔کہیں کہیں اس گرانی سے اردو زبان کی سہل روایت کو جھٹکا لگا' جو سرسید اور حالی سے چلی تھی لیکن آزاد کی گراں بار نگارشات سے نقصان کم اور فائدہ زیادہ رہا۔

www.urduchannel.in

مولانا کی ابتدائی نثر کے نمونے گلدستہ اور نیرنگِ عالم میں دکھائی دیتے ہیں۔ بعد میں فروری 1913 کو انہوں نے مذاکرۂ علمیہ کے عنوان سے ایک کالم ''المصباح'' میں جاری کیا ۔جس میں سائنسی مسائل جیسے ریڈیم، قطبِ جنوبی میں اسکاٹ کی مہم، ڈاکٹر ماریہ مان ٹیسوری کا نیا فلسفہ تعلیم وغیرہ پر مضامین شائع ہوتے رہے۔ مولانا کے دورِ صحافت میں تقریباً ایک درجن سے زائد اخبارات ورسائل نظر آتے ہیں۔ لسان الصدق، خدنگِ نظر، وکیل، الندوہ، الہلال، البلاغ، دارالسلطنت، پیغام، پیام، الجامعہ، الہلال ثانی وغیرہ مولانا کی صحافت اور نثر کے عمدہ نمونے ہیں ۔جس میں ادب اپنی تمام تر رعنائی بکھیرتا نظر آتا ہے۔ بقول رشید الدین خاں

> ''مولانا کی صحافت کو ادب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں کے حسین امتزاج سے ہی ابوالکلام کی وہ نثر بنتی ہے، جسے دیکھ کر پھر نظمِ حسرت میں مزہ نہیں رہتا''۔

(مولانا کا اسلوبِ نگارش۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ایک ہمہ گیر شخصیت ص 283)

بیسویں صدی کی دوسری دہائی شروع ہوتے ہی 1912ء میں کلکتہ سے 'الہلال' مولانا کی زیرِ ادارت شائع ہوا۔ الہلال کی نثر نے جوش، منطق واستدلال اور دعوت وتبلیغ کے ذریعے اردو داں طبقے میں ایک لہر سی دوڑا دی۔ الہلال کی شاندار نثر کو قرآن وحدیث کے حوالوں نے استناد واعتبار عطا کیا اور مختلف زبانوں کے اشعار کی پیش کشی نے نثر کی چاشنی اور دلکشی میں اضافہ کیا۔ فکر انگیز نکات کے ابلاغ نے بصیرت کے در وا کیے، حوصلے بڑھے، ہمتیں بلند ہوئیں اور نوجوان نسل کے ذہنوں میں کچھ کر گزرنے کے جذبات ابھرے۔ الہلال مولانا کی شخصیت کا پرتو تھا۔ الہلال کارواں تھا، مولانا میر کارواں۔ الہلال قرطاس تو مولانا قلم۔ غرض مسلمانوں کی سیاسی صحافت جس نے برطانوی استبداد کے خلاف مسلمانوں کو شعور عطا کیا۔ اس سیاسی صحافت کے تین روشن مینار تھے۔ مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی۔ محمد علی جوہر نے کامریڈ اور ہمدرد نکالا اور رئیس الاحرار کہلائے جب کہ مولانا ظفر علی سیاسی زعیم کی حیثیت میں زمیندار کے افق سے

www.urduchannel.in

ابھرے تو الہلال نے مولانا کو امام الہند بنا دیا۔اسی اخبار نے مولانا آزاد کو صحافت کے لالہ زار سے نکال کر سیاست کے میدان کا مجاہد بنایا۔اس لیے 'الہلال' مولانا کی دور صحافت کی معراج سمجھا جاتا ہے۔آج 100 برس بعد بھی اردو صحافت ایسا نمونہ نہیں پیش کر سکی۔نہ اتنا بڑا مجاہد' نہ ایڈیٹر نہ اتنا برادہنی' علمی' تاریخی' فکری اور جذباتی صحیفہ۔وہ پرچہ نہیں ایک عہد تھا' ایک تاریخ' ایک انجمن اور ایک تحریک تھا۔

''تذکرہ''میں مولانا نے پہلی بار اپنے اجداد اور اُن کے سلسلوں کی روداد بیان کی ہے اور دعوت و عزیمت کی بعض شخصیتوں کے سوانحی حالات بھی بیان کیے ہیں۔تذکرہ کا اسلوبِ نگارش 'الہلال' اور 'البلاغ' سے مشابہ ہے۔اس میں اس زمانے کی عربی' فارسی اور اردو کا چلن نمایاں نظر آتا ہے۔تذکرہ کے ہر صفحے سے مطالعے کی پختگی' مشاہدے کی وسعت اور تخیل جھلکتا ہے۔مولانا کی ساری تعلیم عربی اور فارسی میں ہوئی تھی۔یوں بھی اس زمانے کے مذہبی شرفا عربی و فارسی کے سحر سے نکل نہیں سکتے تھے۔اس لیے سرسید نے عربی اور فارسی کا زور توڑنا چاہا اور مولانا حالی نے سادہ زبان کی طرف توجہ مبذول کی۔لیکن جو دعوت مولانا کے ہاں تھی' اس کے لیے عربی و فارسی سے مفر ممکن نہ تھا۔مسلمانوں کو مخاطب کرنے کے لیے دونوں زبانیں لازم و ملزوم تھیں۔کیوں کہ مولانا کا طرزِ تخاطب ذی علم اور ذی شعور طبقے کی طرف تھا۔مولانا نے 'البلاغ' میں جس طرح عربی و فارسی کے الفاظ استعمال کیے' اسی طور پر تذکرہ میں نئی ترکیبیں وضع کیں اور فقروں کی ساخت میں اشعار کو موزوں کیا' جو مولانا کا وصفِ خاص تھا۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے بعض خانہ نشیں الفاظ کو جلوۂ عام بنا دیا۔تذکرہ حقیقتاً کئی مباحث کا مخزن ہے۔

جہاں تک 'تذکرہ' کی ترتیب کا تعلق ہے' اس میں کوئی ترتیب نہیں۔صرف لفظ 'فصل' کے زیرِ عنوان ایک نئی بحث یا نیا مضمون شروع کر دیتے تھے۔مولانا نے آخری صفحوں میں جو کچھ اپنے بارے میں لکھا ہے وہ محض رومانی شاعری ہے۔کئی مقامات' کئی عبارتیں اس حد تک خطیبانہ ہیں کہ محسوس ہوتا ہے مولانا ہجوم کے سامنے خطبہ دے رہے ہوں۔مختصراً یہ کہ 'تذکرہ' متحرک علمی

www.urduchannel.in

شخصیتوں کی سوانحی اشاروں پر مشتمل تصنیف میں علماء کی فتنہ کاریوں کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ اس تصنیف میں پہلی بار حواشی اور حوالے شرح وبسط کے ساتھ تحریر ہوئے ہیں۔

کاروانِ خیال:

مولانا کے خطوط کا مجموعہ 'کاروانِ خیال' ہے۔ جس میں 4 ستمبر 1940 تا 12 نومبر 1946ء تک کے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔ ان خطوط کو محمد عبدالشاہد شیروانی نے مرتب کیا ہے۔ یہ خطوط 'غبارِ خاطر' سے پہلے لکھے گئے ہیں' لیکن بعد میں شائع ہوئے۔ 'غبارِ خاطر اور کاروانِ خیال ' جیسے مکاتیب کے عنوان ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکاتیب درحقیقت مولانا کے لیے اُن کے خیال وخاطر کی غبار آمیز دستاویزات ہیں۔ 'کاروانِ خیال' میں عربی اشعار کی بھرمار نظر آتی ہے اور عربی شعراء کا ذکر بھی جا بجا ملتا ہے۔ جن میں تاج سبکی' امام ذہبی' شیخ ابوحمزہ کردی' شیخ آلوسی زادہ' شیخ العصر محمود شکری' سید عبدالرحمٰن نقیب' سید فضل اللہ اصفہانی' شاعر عراق جمیل صدقی الزہاوی' سید محمد کاظم طباطبائی' ملا محمد کاظم خراسانی' مرزا محمد حسین دانش صدیق اور حافظ شیرازی کا ذکر ملتا ہے۔ جن کے بارے میں مولانا رقمطراز ہیں:

> ''اُن میں سے ہر فرد اپنی اپنی خصوصیات میں فرد تھا' افسوس ایک ایک کر کے سب رخصت ہو گئے' وہ کیا رخصت ہوئے' اس عہد کی ساری ساری باتیں ہی خواب وخیال ہو گئیں۔ ہائے کیا زمانہ تھا اور کیا اُس عالمِ رنگ وبو کی جلوہ طرازیاں تھیں۔''

(کاروانِ خیال۔ ص 58 مرتب محمد عبدالشاہد شیروانی)

کاروانِ خیال کے تین خطوط ایسے ہیں جسے بعد میں غبارِ خاطر میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ تینوں خطوط سری نگر' کشمیر میں لکھے گئے تھے اور حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے نام تحریر ہوئے ہیں۔ ایک خط میں عربی ادب پر بحث شامل ہے تو دوسرے خط میں مولانا کا موسیقی سے لگاؤ کا ذکر ملتا ہے اور ایک خط مولانا شبلی نعمانی کے ذوقِ سلیم اور مذاقِ شعر وادب کے متعلق تحریر ہوا ہے۔ ان

www.urduchannel.in

خطوط میں الفاظ کا تخلیقی استعمال نثر میں شعریت کا مزہ دیتا ہے۔

کاروانِ خیال کے مقدمے میں محمد عبدالشاہد شیروانی مولانا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''شادی و مسرت کا ماحول یا حزن و ملال کا، عیش و عشرت کے سامان مہیا ہوں یا رنج و غم کے تبریک و تہنیت کا محل ہو یا تعزیت و عیادت کا ہر جگہ اشہبِ قلم یکساں دوڑتا نظر آئے گا۔ گویا نگاہوں کے سامنے وسیع میدانِ ادب ہے۔ رخشِ خامہ کو جدھر مہمیز لگا دی ہوا ہو گئے۔''

(مقدمہ۔ایضاً ص 9)

ترجمان القرآن:

ترجمان القرآن کو مولانا کے عقیدے اور ذوق و شوق پر مشتمل ایک اہم تصنیف کہا جاتا ہے۔ جس میں مولانا نے ایک ایک آیت کی تشریح کے لیے عربی زبان کے اسالیبِ بیان، صحابۂ کرام کے اقوال، قدما و مفسرین کی تشریحات و توضیحات کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی مخصوص نظریے تک پہنچتے ہیں اور کمالِ قوت اور بلاغت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ مولانا نے ترجمان القرآن کی تفسیر کے لکھنے میں تحقیق سے بھی حد درجہ کام لیا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ملتا ہے کہ مولانا سے پہلے کسی نے ذوالقرنین کے بارے میں کسی نے یہ نہیں لکھا کہ وہی ایران کا بادشاہ کیخسرو ہے۔

سجاد علی انصاری نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ قرآن عربی کے بجائے اردو میں نازل ہونا ہوتا تو مولانا کی نثر منتخب کی جاتی یا اقبال کی نظم۔ جب کہ سید سلیمان ندوی کا یہ کہنا ہے کہ ''ترجمہ صحیح، دل نشیں، موثر اور باوقار ہے۔ رشید احمد صدیقی رقمطراز ہیں کہ مولانا نے الفاظ کو نبوت کا جامہ پہنایا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ مولانا کا اسلوبِ تحریر اُن کی شخصیت تھی اور اُن کی شخصیت اُن کا اسلوب۔ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ صاحبِ طرز کی ایک نشانی یہ بھی ہے۔ مولانا نے لکھنے کا انداز، لب و لہجہ اور مزاج کلام پاک سے لیا، جو اُن کے مزاج کے مطابق تھا۔ مولانا وہ پہلے اور آخری شخص تھے، جنہوں نے براہِ راست قرآن کو اپنے اسلوب کا سرچشمہ بنایا۔ مولانا نے اپنے

www.urduchannel.in

ترجمے اور تفسیر میں قرآن کا لہجہ اختیار کیا اور عربی آیات کو اردو آیات بنا دیا۔ اس سے پہلے یہ سحر اور کسی ترجمے میں نہیں ملتا۔ مولانا نے اپنی تفسیر اور ترجمے میں مسلمانوں کے ذہنی محرکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن کی ہی زبان استعمال کی ہے، جس سے اُس کی کشش دیرپا قائم رہتی ہے۔

مولانا نے ترجمان القرآن کو بیک وقت تفسیر اور ترجمے کے ساتھ لکھا جب کہ ان سے یا تو مفسرین تفسیریں لکھتے یا قرآن کے ترجمے کرتے۔ اس کے علاوہ جا بجا مولانا نے فوٹ نوٹ لکھ کر قارئین کے لیے آسانی پیدا کر دی۔ نیز جہاں جہاں قرآن کے کسی مطلب کو واضح کرنے کے لیے دلائل وشواہد کی ضرورت تھی، وہاں دلائل وشواہد پیش کر دیئے۔

انڈیا ونس فریڈم:

انڈیا ونس فریڈم مولانا کی انگریزی تصنیف ہے۔ جس میں آزادیٔ ہند سے متعلق واقعات اور سیاسی معاملات کی تفصیل ملتی ہے۔ نیز تصنیفِ ہذا میں مولانا نے اپنے آباواجداد کے بارے میں کیفیت نما کے زیرِ عنوان مختصراً خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بعد کانگریس میں شمولیت سے لے کر عہدۂ صدارت تک پہنچنے کے واقعات پر مولانا نے تبصرہ کیا ہے۔ نیز چین کی طرف گریز، کرپس مشن، برٹش کیابنیٹ مشن، ماؤنٹ بیٹن مشن، ہندوستان چھوڑ دو سے لے کر منقسم ہندوستان تک آزادیٔ ہند کی حالات وکیفیت کا مفصل معلومات ملتی ہے۔

مولانا دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ یہ تاریخی دور تھا، جس میں بیک وقت مولانا پر کئی ذمے داریوں کا بوجھ پڑا۔ جیسے شملہ کانفرنس، ہندوستان چھوڑ دو قرارداد، تقسیم ہند کے مراحل وغیرہ۔ مولانا نے سبھی ذمے داریوں کو بہ حسن وخوبی نبھایا اور امن و اماں قائم رکھنے کی کوشش کی۔ تقسیمِ ہند کے وقت جب مسلم لیگ اور کے عہدیداران کے مابین معاہدے ہوئے اور آپسی شرائط قبول کیے گئے تو ان پر مہر بھی لگائی گئی۔ اس سلسلے میں مولانا نے کہا کہ مہر کاغذوں پر لگی ہے، عوام کے دلوں پر نہیں۔

www.urduchannel.in

مولانا آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی:

مولانا آزاد کی کہانی آزاد کے خاندانی سلسلے، بچپن، لڑکپن، نوجوانی، کارنامے اور، عقائد تک کے واقعات کا مرقع ہے۔ جس میں مولانا نے اپنے اسلاف اور بزرگوں کی آمد، موافقت ومخالفت، مقام ومرتبہ، عزت وشہرت وغیرہ کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ والد محترم کی تربیت، ان کی اصول پسندی اور رعب ودبدبہ کے علاوہ، والدہ، بھائی اور بہنوں کے واقعات اور ان کی سیرت وشخصیت کو قلم بند کیا ہے۔ بعد ازآں اپنی عادات وخصائل، مطالعے کا ذوق، شرارتیں، شاعری کا چسکہ، تقریر وتحریر سے متعلق اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ جہاں تک مولانا کے عقائد کی بات ہے، اس ضمن میں انہوں نے ابتداء میں مولانا عبدالحق حقانی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حالی، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور سرسید احمد خان کا اثر زیادہ قبول کیا۔ بعد کے زمانے میں پیری مرشدی سے بیزارگی کے سبب آزاد زندگی کی طرف مائل ہوئے۔ مولانا کے رفیق کار عبدالرزاق ملیح آبادی نے اسی کتاب کے مقدمے میں تحریر کیا ہے کہ مولانا اپنی مادی زندگی ہی میں حقیقتِ کبریٰ کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ چکے تھے۔ اس ماجرے کا کچھ حال خود مولانا کی زبان سے سنیے:

> ''وہی دنیا جس کے میکدۂ خود فراموشی نے غفلت کے جام لنڈھائے تھے، اپنے ہر جلوے سے، آنکھوں کو، اپنے ہر نغمے سے کانوں کو سرمستی وسرشاری کی پیہم دعوتیں دی تھیں، اب اس کا کونہ کونہ، چپہ چپہ ہوشیاری وبینش کا مرقع تھا۔ بصیرت ومعرفت کا درس تھا۔ ذرے ذرے کو گرمِ گفتار پایا۔ پتے پتے کو مکتوب ومسطور دیکھا۔ پھولوں نے زبان کھولی، پتھروں نے اُٹھ اٹھ کر اشارے کیے۔ خاکِ پامال نے اُڑ اُڑ کر گہر افشانیاں کیں۔ آسمانوں کو بار بار اترنا پڑا۔ تاکہ سوالوں کا جواب دیں۔ زمین کو کتنی ہی مرتبہ اچھلنا پڑا، تاکہ فضائے آسمانی کے تارے توڑ لائیں۔ فرشتوں نے بازو تھامے کہ لغزش نہ ہو جائے۔ سورج چراغ لے کر آیا کہ کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے۔

www.urduchannel.in

سب نے نقاب اتار دیے ۔سارے پردے چھلنی ہو گئے ۔سب کی ابروؤں میں اشارے تھے ۔سب کی آنکھوں میں حکایتیں بھری تھیں ۔ سب کے ہاتھ بخشش وقبولیت کے لیے دراز تھے۔ بادل کو پکڑا تو سازِ ہستی کا طنبورہ نکلا۔بجلی کو پاس بلایا تو لب ہائے راز کا ایک تبسم آشکارا نکلی ۔ہوا کے جھونکے مٹھیوں میں آ گئے ۔مگر پھر بھی خالی رہے ۔سمندر نے اپنی ساری موجیں خرچ کر دیں مگر پھر بھی ہمارے ہاتھوں کا پیالہ نہ بھرا۔رات معدوم تھی ۔ظلمت کی بڑی ڈھونڈ ہوئی مگر نہ ملی ۔خوابِ غفلت کا لاکھ پتہ پوچھا مگر کسی نے نہ بتلایا۔ جب کبھی آنکھیں بند کیں' تماشے دیکھے ۔جب کبھی کان بند ہوئے ۔صداؤں اور نواؤں سے بھر گئے ۔۔۔غرض کہ ہمتِ خوابیدہ جاگ اٹھی اور دل رفتہ پھر نئی نئی طاقتوں اور نئے نئے ارمانوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ عالم آفاق وانفوس میں جو کچھ ہے' اس میں سے کوئی بھی نہ تھا' جس کی ابرو پر گرہ یا آنکھوں میں غمزہ نہ ہو۔سب کی زبانیں گویا' سب کے اشارے آشکارا' سب کی سطریں بھری ہوئی تھیں ۔نہ کوئی لب بند رہا' نہ کوئی جلوہ مستور۔ نہ آنکھوں نے دیکھنے میں کمی کی نہ کانوں نے سننے میں ۔چشم گوش نے جو کچھ بہم پہنچایا' دل کی وسعت نے سب کو سمیٹ لیا۔اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے؟۔''

(آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی۔ص 19)

مولانا کے عنفوانِ شباب کی تصانیف:

مولانا کی ابتدائی تصانیف کا دورِ اول تیرہ تا اٹھارہ برس کی عمر تک محیط ہے۔ذیل میں اُن تصانیف کے موضوعات کا مختصراً جائزہ پیش ہے۔

1۔ اعلان الحق (محمڈن لاء)

www.urduchannel.in

2۔ احسن المسالک
(صوفی ازم اور طریق ریاضت کے مختلف مدارس کی تشریح کی گئی ہے)
3۔ عمر خیام (بائیوگرافی اور ریویو)
4۔ خاقانی (بائیوگرافی اور ریویو)
5۔ العلوم جدیدہ واسلام (اسلام اور ماڈرن سائنس)
6۔ المرأۃ المسلمہ (عورتوں کے حقوق اور آزادی کے مسئلے پر بحث)
7۔ اسلامی تہذیب اور مذاہبِ عالم
(اسلامی تہذیب کی جغرافیائی فتوحات سے اس کی روحانی فتوحات کا ذکر)
8۔ چہار مقالہ (شاعری کے بعض مباحث)
9۔ فرہنگِ جدید (لغت کی تحقیق)

مولانا کی چند اور تصانیف:

مولانا نے جو تصانیف اٹھارہ برس کی عمر کے بعد تحریر کیں، وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ قانونِ نشو وارتقاء وقرآن: نشو وارتقاء کے مسئلے کو ڈارون اور ویلس نے انیسویں صدی میں پیش کیا۔ اس نظریے کو مسلمان حکماء نے تکمیل کے درجے تک پہنچا دیا۔ مولانا نے نشو ارتقاء کے نظریات کو قرآن کی روشنی میں سمجھا اور مذکورہ کتاب کے ذریعے قارئین کو سمجھایا۔
2۔ قصائص مسلم: اسلامی زندگی میں قوم مسلم کا کردار قرآن کے ذریعے مولانا نے تحریر کیا۔
3۔ القول الثابت: اس میں مذہب اور عقل کی باہمی آمیزش پر بحث کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ سائنس کی مادی اور مذہب کی ماوَرائی۔
4۔ التحائف الخلف: اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی ذات وصفات کا ادراک ہم بذریعے عقل نہیں کر سکتے لیکن اس کا اعتراف ہماری فطرت میں موجود ہے۔
5۔ الدین الخالص: عام لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ اسلام نیا مذہب ہے، جو دوسرے مذاہب والوں کو اُن کے مذہب سے الگ کر کے اپنا حلقہ بڑھانا چاہتا ہے۔ مولانا نے اس غلط

www.urduchannel.in

ہمی کو دور کیا اور بتایا کہ اسلام مذہب نہیں خالص دین ہے اور زمانہ قدیم سے رائج ہے۔

6۔ احرارِ اسلام: تاریخ اسلام کے سرفروشوں کی بائیوگرافی پر مشتمل ہے۔

7۔ حیاتِ سرمد: حضرت صوفی سرمد کی سوانح عمری ہے۔

8۔ جامع الشواہد: اس کتاب میں مولانا نے یہ بتایا ہے کہ غیر مسلم لوگوں کو دینی مجالس اور مساجد میں داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

9۔ تاریخ دعوتِ اسلام: جس میں قرآن کا تصور انسانوں کی فلاح و بہبودی اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے سب سے بہتر بتایا گیا ہے۔

10۔ خلافتِ جزیرۃ العرب: اس کتاب میں مطالبہ خلافت کی تشریح کی گئی ہے۔

11۔ تفسیر البیان فی مقاصد القرآن: مولانا کی یہ سب سے اہم اور جامع کتاب ہے۔

12۔ معارف النغمات: موسیقی سے متعلق آگاہی اس کتاب میں ملتی ہے۔

13۔ حواشی ابوالکلام آزاد: مختلف کتابوں کے حوالوں اور حواشی پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔

14۔ ارمغانِ ادب: مولانا کے مضامین اور مجموعۂ کلام شامل تصنیف ہے۔

15۔ فلسفہ: اصول ومبادی کی روشنی میں یہ کتاب تحریر ہوئی ہے۔

16۔ البیرونی اور جگرافیائے عالم: مشہور سیاح البیرونی کے نظریات اور جغرافیائی واقعات کا ذکر ملتا ہے۔

17۔ دوست اور ساتھی جواہر لال نہرو کے لیے: جواہر لال نہرو سے مولانا کے تعلقات پر مشتمل ہے۔

18۔ خطباتِ آزاد: جملہ پندرہ خطبات اس میں موجود ہیں، جن میں چودہ خطبات الگ الگ جمیعۃ العلماء اور کانگریس کمیٹی کی کانفرنسوں پر مشتمل ہیں جبکہ ایک خطبہ گاندھی جی کی یاد میں شامل تصنیف ہے۔

19۔ مسئلۂ خلافت: ترکی میں خلافت کے مسائل جو اس وقت رونما ہو رہے تھے، مولانا کے قلم کی زد میں آ گئے ہیں۔

www.urduchannel.in

20۔ تحریکِ آزادی: ہندوستان میں تحریکِ آزادی کے مسائل اور اسباب و علل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

21۔ حیات ابنِ تیمیہ: حضرت ابن تیمیہ کی حیات کے گوشے روشن کیے ہیں۔

22۔ تفسیر سورۂ یوسف: قرآن کی رو سے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالاتِ زندگی اور واقعات کا اظہار عمدگی سے ملتا ہے۔

23۔ رسالہ بہ نور المعہ فی فضائل الجمعہ کا ترجمہ ''احکامِ جمعہ''

24۔ قصائص محمدیہ

25۔ منہاج العابدین (امام غزالیؒ)

26۔ نفحات الانس (حضرتِ جامی)

27۔ تہافتہ الفلاسفہ (ترجمہ)

28۔ ہیئتِ جدیدہ (ترجمہ)

29۔ انڈیا ونس فریڈم

حوالہ جاتی کتب:

ابوالکلام کا اسلوبِ نگارش: عبدالغنی۔۔عبدالمغنی 1991 ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

کاروانِ خیال: محمد عبدالشاہد شیروانی۔مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، بمبئی

تذکرہ۔مرتبہ: مالک رام۔ساہتیہ اکاڈمی، دہلی

غبارِ خاطر۔مرتبہ: مالک رام ناشر: کتب خانہ خورشیدیہ، اردو بازار، لاہور

آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی: ابوالکلام آزاد۔حالی پبلیشنگ ہاؤس۔دہلی

مولانا آزاد کے تعلیمی نظریات: پروفیسر عبدالرزاق فاروقی

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

مولانا کے تعلیمی نظریات

مولانا آزاد 15/جنوری 1947ء کو ہندوستان کے مرکزی وزیرِ تعلیم کے عہدے پر فائز ہوئے تو انہوں نے تعلیم کے میدان میں جنگی پیمانے پر تبدیلیاں کیں۔اس زمانے میں جب کہ ملک کی حالت دگرگوں تھی، کسی بھی قسم کی تبدیلی آسان امر نہیں تھا، ہر سمت سے مخالفت کے بھنور قدموں سے لپٹے جاتے تھے۔ایسی صورتحال سے عہدہ برآ ہونا مسائل کو حل کرنا اور انکار کی شدید آندھیوں میں چراغ جلانا صرف مولانا جیسے مردِ آزاد ہی کے بس میں تھا۔

مولانا کے تعلیمی نظریے کو سمجھنے کے لیے ان کی وزارت سے قبل کے تعلیمی افکار پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔کیوں کہ انہوں نے اپنے مضمون ''مسلمانان ہند اور گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی'' میں یوروپ کی نئی تعلیم کی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے ادبیات کی تعلیم پر ترجیح دی ہے۔ان کا خیال تھا کہ ''قومیں عموماً زبان کی ترقی اور تنزلی سے بنتی اور بگڑتی ہیں''لہذا اس مضمون میں انہوں نے جغرافیہ، حساب اور سائنس کی تعلیم کے ساتھ زبان وادب، تاریخ و مذہب کی تعلیم کو لازم وملزوم قرار دیا۔نیز حکومت پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ ناقص تعلیمی پالیسی سے نظامِ تعلیم کو قطعی طور پر فروغ نہیں دیا جا سکتا۔تعلیمی سلسلے میں حکومت نے 2/مئی 1913ء کو ایک سرکولر تیار کیا تھا، جس میں مسلمانوں کی تعلیم کے سلسلے میں نکات تھے۔مولانا نے اسے یکسر مسترد کر دیا اور جواباً لکھا کہ:

''اگر یہ تعلیمی منشور انہی حالتوں میں نافذ العمل ہو گیا اور عصری و اساسی

www.urduchannel.in

دقتیں بدستور برقرار رہیں تو مسلمانوں کو صاف کہہ دیان چاہیے کہ یہ نام
نہاد اصلاحی سرکولر ان کے درد کی دوا نہیں ہے۔''

(مولانا آزاد کے تعلیمی نظریات۔اردو دنیا۔نومبر 2014ء)

مولانا نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے تعلیمی موضوعات پر تقریباً 54 خطبات دیے ہیں، یہ خطبات نہ صرف حکومتِ ہند کی تعلیمی پالیسی کا اظہار ہیں بلکہ ان کی فکر کے ترجمان بھی ہیں۔مئی/1952ء کو مولانا آزاد کو وزارت قدرتی سائل اور سائنسی تحقیق کی اضافی ذمے داری دی گئی تو انہوں نے سائنسی میدان میں بھی متعدد ترقیاں کروائیں۔مولانا محض تعلیم کے جدید طریقۂ کار کے حامی نہیں تھے بلکہ دینی علوم میں مشرقیہ اور جدید مغربی تعلیم کے ارتباط سے ملک کے طالبِ علموں کی تربیت کرنا چاہتے تھے۔جس سے ملک کے طلباء میں یگانگت' اتحاد اور مفاہمت کی فکر پیدا ہو۔وہ تعلیم کے ذریعے افراد کی ہمہ جہت ترقی کے قائل تھے' ان کی نظر میں تعلیم وسیلہ معیشت نہیں بلکہ انسانی مساوات کا فروغ تھا۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی نگاہ بنیادی تعلیم پر رکھی اور لکھنو کی علماء کانفرنس میں جدید نصاب کی تیاری پر زور دیا۔مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں کہا تھا کہ:

''سائنس اور ٹیکنالوجی' فلسفہ' سماجی علوم و معاشیات میں جو ترقیاں ہو رہی
ہیں انہیں بھی آپ اپنے نصاب میں شامل کریں' تاکہ دینی و دنیاوی فکر کا
سنگم ہو جائے'' (اردو دنیا۔نومبر 2014ء ص55)

اس حوالے سے مولانا کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ ایک وزیرِ تعلیم کی حیثیت سے نصابات(Curriculam) اور(Modules) کو بہتر بنانے میں جتنا زیادہ زور مولانا نے دیا' آج تک کسی وزیر تعلیم نے نہیں دیا۔

مولانا آزاد کی شخصیت میں مختلف حیثیتوں کا امتزاج نظر آتا ہے۔دینی معاملات اور فکر و آگہی کے لحاظ سے وہ بلند پایہ عالمِ دین تھے اور ایک ادبی صحافی تھے' جن کے اسلوبِ نگارش کے اثرات صحافتی میدان میں نمایاں تھے۔وہ اردو کے صاحبِ طرز ادیب تھے' جن کی شاعرانہ نثر ادبی

www.urduchannel.in

، سماجی، تعلیمی، مذہبی، سیاسی اور تنقیدی موضوعات کو سمیٹے ہوئی۔ مولانا نے ہندوستان کے تعلیمی نظام کو بہتر بناتے ہوئے جو اصول وضوابط متعین کیے، ان سے آج بھی پورا ہندوستان مستفید ہو رہا ہے۔ جیسے تعلیم کا پنج سالہ منصوبہ، اساتذہ کی تربیت، نصاب کا بدلنا، تعلیمِ بالغاں، بنیادی اور لازمی تعلیم کی ضرورت وغیرہ۔ اس کے علاوہ مولانا نے سائنسی تعلیم کی ترقی اور فنونِ لطیفہ کے حصول پر زور دیا۔ مختلف اکاڈمیوں کی بنیاد ڈالی۔

مولانا کو اردو، فارسی، ترکی زبانوں کے علاوہ عربی زبان وادب پر بھی دسترس تھی اور وہ مشرقی زبانوں کے علوم وفنون سے بڑی حد تک واقفیت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ مولانا کو صحافت اور سیاست اور تعلیمی امور سے بھی آگاہی تھی۔ اسی وجہ سے گاندھی جی نے ہندوستان کے تعلیمی شعبہ جات کو بہتر بنانے کے لیے سب سے موزوں شخصیت مولانا آزاد کو قرار دیا۔ مولانا آزاد زندگی کے آخری گیارہ برس تک آزاد ہندوستان کے تعلیمی نظام کی تشکیل وتنظیم کے مسائل حل کرنے میں صرف کیے۔ مولانا آزاد کو وزیرِ تعلیم کا یہ عہدہ اُن کے مزاج میں تعلیمی افکار کی تڑپ کو دیکھ کر ملا۔ اس عہدے کو قبول کرنے سے قبل مولانا آزاد تعلیمی خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ:

> ''انسان کے لیے معیارِ شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم وعمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایتِ پارینہ اور نسب فروشی کا غرورِ باطل۔ ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے سارے خاندان کے لوگ پہچانیں، نہ کہ اپنی عزت کے لیے خاندان کے شرفِ رفتہ کے محتاج ہوں۔''
>
> (تذکرہ۔ مرتبہ مالک رام ص 26)

مولانا اسلاف کی روایتِ پارینہ اور نسب کے باطل غرور کے بجائے جوہر ذاتی اور تعلیم وعمل کو معیارِ شرف قرار دیتے ہیں۔ آزاد ہندوستان کے بعد مولانا نے وزارتِ تعلیم کی ذمے داری سنبھالنے سے قبل یہ صورتحال تھی کہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ہمہ جہت شخصیت کے مالک

www.urduchannel.in

گاندھی جی کا نظریۂ تعلیم یہ تھا کہ دیہی ترقی اور گھریلو صنعتوں کے فروغ کے ذریعے سے نئے طرز کی معیشت کی بنیاد ڈالی جائے۔ علاوہ ازیں وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بڑی صنعتوں کے قیام کے حق میں تھے۔ لیکن مذکورہ خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تعلیمی نوعیت کیا ہوگی؟ اس طریقے سے گھریلو صنعتوں سے بڑے کارخانوں کی طرف رخ کیا جائے۔ ایسے کئی سوالات درپیش تھے۔ چناں چہ مولانا آزاد نے نئی تعلیمی پالیسی کی بنیاد ڈالی۔ وہ کلاسیکی اور مشرقی دینی علوم، مغربی جدید کے سیکولر علوم کو ملا کر ایک علمی تسلسل کے ساتھ تعلیم کے معیار کو بڑھانا چاہتے تھے۔ چناں چہ ڈاکٹر رادھا کرشنن کی مرتبہ کتاب 'ہسٹری آف فلاسفی ایسٹرن اینڈ ویسٹرن' (مشرق و مغرب میں فلسفے کی تاریخ) کے دیباچے میں مولانا نے وضاحت کی تھی کہ تعلیم محض کاروباری یا معاشی مسئلہ نہیں ہے، کہ دو حروف پڑھ کر آدمی روزی روٹی کمانے لگے۔ یہ تو محض اُس کا ایک رخ ہے۔ اصل مراد ہے انسان کی تعمیرِ نو اور اس کی آزاد شخصیت ہے۔ 12/ اکتوبر 1942ء کے خط میں مولانا آزاد رقم طراز ہیں کہ:

> ''انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اُس کے تقلیدی عقائد ہیں..... بسا اوقات موروثی عقائد کی پکڑ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تعلیم اور گرد و پیش کا اثر بھی ڈھیلا نہیں کر سکتا۔ تعلیم دماغ پر ایک نیا رنگ چڑھا دے گی لیکن اُس کے بناوٹ کے اندر نہیں اترے گی۔ بناوٹ کے اندر ہمیشہ نسل، خاندان اور صدیوں کے متوارث روایات ہی کا ہاتھ کام کرتا رہے گا..... عقائد کی بنیاد علم و نظر پر ہونی چاہیے، تقلیدی توارث پر کیوں ہو؟۔'' (ایضاً)

مذکورہ بیان سے مولانا کے ترقی پسندانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ تقلید و توارث کے بجائے علم و نظر کو فوقیت دیتے ہیں۔ مولانا آزاد کے تعلیمی نظریات کو حسبِ ذیل نکات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

www.urduchannel.in

مذہبی تعلیم کا نظریہ:

مولانا آزاد نے 1947ء میں وزیرِ تعلیم کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد 18 رفروری کی پریس کانفرنس میں تعلیم اور قومی تشکیل کے ضمن میں بنیادی امور کی طرف توجہ مبذول کروائی ۔خصوصاً مذہبی تعلیم پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ مذہبی تعلیم کا مقصد وسیع النظری، رواداری اور انسان دوستی ہونا چاہیے۔ مولانا حقیقی مذہب کے قائل تھے جو تقلید کے بجائے تحقیق پر مبنی ہو۔ اُن کے نزدیک تحقیق پر مبنی مذہب علم کے منافی نہیں ہوتا بلکہ اُس سے مطابقت پیدا کرتا ہے۔ اُن کے تئیں مذہب، فلسفہ، سائنس اور سیاست کا بنیادی مقصد انسان اپنی زندگی کو تمام تفریقوں سے مٹا کر انسانیت کے اعلیٰ درجے تک پہنچ جائے۔ اس سلسلے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ:

> ''ہماری فتح مندی کی تمام بنیاد چار سچائیوں پر مشتمل ہے۔ میں اس وقت بھی اس ملک کے ہر باشندے کو صرف انہی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔
> 1۔ ہندو مسلم کا کامل اتفاق 2۔ امن ۔ 3۔ نظم (ڈسپلن) 4۔ قربانی اور استقامت۔'' (فرموداتِ آزاد۔ اردو دنیا، نئی دہلی)

مولانا آزاد نہ صرف مذہبی رہنما تھے بلکہ محبِّ وطن اور سچے قوم پرست انسان تھے۔ اُن کا ذہن تنگ نظری اور ہر قسم کے تعصب سے پاک تھا۔ مذہب کی حقیقی روح کا عرفان انہیں حاصل ہو چکا تھا اور یہی روح نونہالانِ وطن کے دلوں میں پیوست کرنا چاہتے تھے۔ وہ مذہب کو انسانی زندگی کا لازمی عنصر جانتے تھے۔ مختلف النوع مذاہب سے تعلق رکھنے والے تمام نوعِ انسانی اتحاد و اتفاق سے رہیں، کیوں کہ اس رنگا رنگی میں مذہبی اختلافات سے ملک کی فضا خراب ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے وہ متحدہ قومیت کو فروغ دینے کے لیے لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف نسلوں تہذیبوں اور مذہبوں کے قافلوں کی منزل ہے۔ ہماری گیارہ صدیوں کی مشترکہ تاریخ نے ہماری زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے

www.urduchannel.in

تعمیری سامانوں سے بھر دیا۔ ہماری اس ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے۔ اب یہ سانچہ ڈھل چکا ہے اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی ہے۔ ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر ہم ایک ہندوستانی قوم اور نا قابلِ تقسیم ہندستانی بن چکے ہیں۔''

(خطباتِ آزاد۔ مرتبہ مالک رام ص 298)

مذکورہ بیان سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ نسل' تہذیب اور مذہب کی رنگا رنگی میں اتحاد کے جذبے کو فروغ دے کر متحدہ قومیت کے تصور کو پروان چڑھا سکتے ہیں۔ مولانا کی زندگی میں مذہب اور سائنس دنوں کی کافی اہمیت تھی۔ وہ مذہب کو خود شناسی کی سیڑھی کہتے تھے۔ یوں تو مختلف مذہبی فلسفوں نے انسانی فطرت کے پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ مغربی فلسفہ صرف دلائل پر مبنی ہے تو مشرقی فلسفہ دنیا کو تصوف اور ویدانت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ڈارون' فرائیڈ اور مارکس نے سائنسی نظریے کو خضر راہ بنایا' جب کہ ہندوستانی فلاسفرس نے انسان کو ذاتِ خداوندی کا پرتو کہا ہے۔ غرض مشرقی تصور کے مطابق تعلیم کا اعلیٰ ترین مقصد روحانیت کو تلاش کرنا اور دلی جذبات کو بیدار کرنا ہے۔

لیکن مولانا فکرمند تھے کہ مشرقی فلسفہ روحانی عظمت کا قائل ہونے کے باوجود سائنس ،صنعت وحرفت، جدید ٹیکنالوجی میں پیچھے ہے اور مغربی فلسفہ صرف مادیت کے سہارے آگے ہے۔ اس لیے مولانا کے تعلیمی فلسفوں میں مغربی ومشرقی نظریات کی ہم آہنگی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مذہب، سائنس' ادب، فلسفہ، جدید ٹیکنالوجی اور فنون لطیفہ میں تناسب قائم رہے جس کا حصول سب کے لئے یکساں ہو۔ مولانا نے بنیادی تعلیم کو مضبوط کرنے کے لیے پانچ بنیادی عناصر کو اہمیت دی ہے۔ 1۔ چھے سے چودہ سال کے بچوں کے لیے لازمی تعلیم 2۔ ناخواندہ بالغوں کے لیے تعلیم ۔3۔ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی توسیع اور معیار کو بلند کرنا .4۔ ملکی ضرورتوں کے پیشِ نظر سائنسی اور ٹیکنیکل تعلیم کا اہتمام 5۔ آرٹ اور فنونِ لطیفہ کی ترویج۔

www.urduchannel.in

مولانا آزاد نے سائنسی تعلیم کی ترقی کے لیے سائنسداں شانتی سروپ بھٹناگر کی قیادت میں اعلیٰ تحقیقاتی ادارہ جات قائم کیا۔ ایٹمی ترقی کے علاوہ صنعت وٹیکنالوجی میں کام کرنے والے سائنسی اداروں کے لیے انڈین کونسل فار ایگریکل چرل اینڈ سائنٹیفک ریسرچ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ زراعت اور دیہی ترقی کی فلاح و بہبودی کے لیے انڈین کونسل فار ایگری کلچرل ریسرچ قائم کیا گیا۔ انڈین کونسل فار میڈیکل ریسرچ کے ساتھ اعلیٰ ترین سائنسی ریسرچ کو روبہ عمل لایا گیا اور ایسے ادارے وجود میں آئے، جو اس تحقیقاتی کام کو زراعت اور صنعتی شعبوں تک لے جاسکیں۔

سماجی علوم اور فنونِ لطیفہ:

1949ء میں مولانا نے فنونِ لطیفہ کی کل ہند کانفرنس میں اختتامی خطبہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''ایک سماج کی صحت مندی اور اعتدال پسندی کا اظہار اس کے افراد میں ذوقِ لطیف کی ترویج سے ہوا کرتا ہے۔'' مولانا کا کہنا صحیح ہے کہ تعلیم محض ذہنی قوی کی بیداری کا نام نہیں بلکہ جذباتی آسودگی، جسمانی ترقی، تہذیب وشائستگی غرض شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی تربیت کا نام ہے۔ اس کی نشوونما کے لیے مولانا مصوری، موسیقی، رقاصی، سنگ تراشی، ڈرامہ اور خطابت جیسے تمام فنون کو اہمیت دیتے ہیں، جس کا عملی ثبوت مولانا نے سنگیت ناٹک اکاڈمی، رقص وموسیقی کے لیے قائم کیا اور فنِ مصوری کو فروغ دینے کے لیے للت کلا اکاڈمی اور ادب کے لیے ساہتیہ اکاڈمی کی بنیاد ڈالی۔ مذکورہ تمام اکاڈمیوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مختلف علاقوں کے ادبی میلانات کو یکجا کر کے قومی سطح پر فروغ دیا جائے۔ اقتصادیات، معاشیات، سماجیات جیسے مضامین کے علوم کی بقا وترویج کے لیے انڈین کونسل فار ہسٹوریکل ریسرچ اینڈ انڈین کونسل فار سوشل سائنس ریسرچ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ نیز ہندوستان کے تہذیبی روابط کو مستحکم کرنے کی غرض سے ادارہ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کو قائم کیا گیا۔

مولانا نے انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل اسٹڈیز بھی قائم کیا، جو بعد میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی بنیاد بن گیا۔ مولانا کی تعلیمی پالیسی کا اہم مقصد اعلیٰ تعلیم کو فروغ دینا تھا۔ اس کے لیے یو

www.urduchannel.in

نیورسٹی گرانٹس کمیشن کا قائم کیا گیا' جس کے تحت ملک میں مختلف یونیورسٹیاں قائم ہوئیں ۔مولانا نے اعلیٰ تعلیم کو نہ صرف مالی امداد سے مستحکم کیا بلکہ نظریاتی طور پر سمت ورفتار میں تیزی لائی ۔وہ نہ صرف آزاد ہندوستان کے وزیرِ تعلیم تھے بلکہ ملک کی کابینہ کے لیے فعال ومتحرک سرگرم رکن تھے۔اس وجہہ سے ملک کی تمام پالیسیوں پر اُن کی نظر تھی۔

مولانا نے ہندوستان' مغربی ایشیاء کے مسلم ممالک سے تہذیب وسیاسی روابط کوفروغ دینے کے لیے رفیق کار عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں عربی مجلّہ ''ثقافت الہند'' جاری کیا ۔تعلیمی نظام کو وسعت دینے میں اس علاقے سے ہندوستان کے مراسم کو اہمیت ملی ۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ادارۂ علوم شرقیہ اور حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی میں ادارۂ علوم اسلامی کا فروغ بھی مولانا آزاد کی دین ہے۔نیز انجمنِ ترقی اردو کی حفاظت اوراز سرِ نواس تنظیم کے دفتر کو علی گڑھ منتقل کر کے ڈاکٹر ذاکر حسین کو صدر اور قاضی عبدالغفار کو سیکریٹری مقرر کیا۔دلی میں انجمن ترقی اردو ہند کی آل انڈیا کانفرنس میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے مولانا نے حکومت سے اردو کے ساتھ انصاف کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اردو کو ہندوستان کے آئین میں جو مقام دیا گیا ہے اسے حکومت تسلیم کرے اور ملک بھی مانے''۔

غرض مولانا آزاد اپنے دس تا گیارہ سالہ وزارت تعلیم کے دور میں انتھک جدوجہد کی ۔ہر قسم کی شکلوں کے لیے بہترین راستے ہموار کیے۔اُن کی فکر ونظر اور فیصلوں کا نتیجہ ہے کہ آج تعلیمی نظام روز افزوں مائل بہ ترقی ہے۔مولانا نے اس نازک دور میں بہتر تعلیمی خدمات انجام نہ دی ہوتیں تو ہماری تعلیم اور تہذیب کا تصور مسخ ہوجاتا۔مولانا نے نہ صرف تعلیم بالغان کی طرف توجہ کی بلکہ ڈراپ آؤٹ کا مسئلہ حل کیا۔فنونِ لطیفہ کی ترقی وترویج کے لیے اکاڈمیاں قائم کیں' مشرقی علوم اورادب میں تحقیق پر زور دیا۔ہندی اور غیر ہندی زبانوں کے تنازعات کو سنجیدگی سے حل کیا۔ یو جی سی' نئی دہلی University,Grants Commission,New Delhi قائم کر کے یونیورسٹیوں کی آزادی کا تحفظ کیا۔اساتذہ کے معیار کو بلند کرنے کے لیے مولانا نے قوم کو ان کی

www.urduchannel.in

اہمیت کا احساس دلایا۔ اساتذہ کے مالی اور سماجی حالات بہتر بنانے کے لیے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔

الغرض مولانا آزاد دینی و دنیاوی تعلیم کے حامی تھے۔ وہ دینی نصاب کو جدید بنا کر سائنس ٹیکنالوجی، فلسفہ اور سماجی علوم سے جوڑنا چاہتے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں اُن کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ طلباء کی کی اہلیت و قابلیت کی سطح کو بلند کیا جائے اور ثانوی تعلیم نونہالانِ قوم کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں معاون ثابت ہو۔ مولانا کی انہی خدمات کے پیشِ نظر جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ:

> ''بعض اعتبار سے اُن کی طرزِ فکر بنیادی طور پر جدید تھی اور بعض دوسری باتوں میں اُن کا ماضی سے بڑا گہرا رشتہ تھا اور وہ اس دور کے شعور کا ایک عکس تھے۔ جسے روشن خیالی کا دور کہا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر وہ ایک ایسے غیر معمولی فرد تھے، جنہوں نے اس مقصد کو جس کے لیے وہ عمر بھر کوشاں رہے، ایک امتیازی شان بخشی اور وہ بھی کچھ اس ڈھنگ سے جس کی کوئی ہمسری نہیں کر سکتا۔ پرانا نظام بدلتا ہے اور ہم اسے واپس نہیں لا سکتے، لیکن ہم اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم مولانا آزاد کی یاد دلوں میں تازہ کرتے ہوئے اُن کی زندگی اور تعلیمات سے ایک بڑا سبق سیکھ سکتے ہیں۔''

تعلیمِ نسواں:

بقول شاعر:

اصلاحِ قوم آپ کو منظور ہے اگر
بچوں سے پہلے ماؤں کو تعلیم دیجیے

مذکورہ بالا شعر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ قوم کی اصلاح کے لیے بچوں کی ماؤں کو زیور

www.urduchannel.in

تعلیم سے آراستہ ہونا از حد ضروری ہے۔ کیوں کہ ایک عورت تعلیم متعلق مہاتما گاندھی نے یافتہ ہوتی ہے تو خاندان کے تمام افراد کی تربیت بھی صحیح نہج پر ہوتی ہے۔ تعلیمِ نسواں سے متعلق مہاتما گاندھی نے وضاحت کی ہے کہ ''ایک لڑکے کو تعلیم یافتہ کرنے کا مطلب ہوتا ہے، محض ایک فرد کو تعلیم فراہم کرنا۔ جب کہ ایک لڑکی کو تعلیم دینے کا مطلب ہے، پوری نسل کو تعلیم یافتہ کرنا'' مہاتما گاندھی کے ان خیالات سے مولانا آزاد بھی متفق تھے۔ تعلیمِ نسواں کی تعلیمی اہمیت و افادیت کے مولانا بھی قائل تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ قوم کا سنورنا اور بگڑنا تعلیمِ نسواں کے ہونے، نا ہونے پر موقوف ہے اور تعلیم یافتہ نسل بلا تعلیم یافتہ ماؤں کے نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا لکھتے ہیں کہ:

> ''تعلیم کے زیور سے عورتوں کو آراستہ کرو، اور ان میں اس کی استعداد پیدا کرو۔ وہ اپنی اولاد کو خود عمدہ تربیت کر سکیں، بچپن ہی سے ان میں عمدہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اس کوشش کے بعد ہندوستان میں جو نسل نظر آئے گی، وہ بے شک تعلیم یافتہ قوم کے لیے باعثِ فخر اور ملک کے لیے باعث شرف ہوگی۔'' (ارمغان آزاد۔ص 210)

مولانا کے خاندانی پس منظر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پورا ماحول مذہبی رہنے کے باوجود، مولانا اور ان کے بھائی تو پڑھے لکھے تھے ہی، ان کی بہنیں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔ مولانا خیر الدین بھی خواتین کی تعلیم کے قائل تھے، چناں چہ انہوں نے اپنی تینوں بیٹیوں (خدیجہ بیگم، فاطمہ بیگم (آرزو بیگم) اور حنیفہ بیگم (آبرو بیگم) کو ان کا تعلیمی ذوق دیکھ کر انہیں حصولِ تعلیم سے کبھی نہیں روکا۔ مولانا نے ارمغانِ آزاد کے ایک مضمون بہ عنوان ''ہماری قوم تعلیم یافتہ کیوں کر ہو سکتی ہے'' تحریر کیا ہے، جس میں تعلیمِ نسواں سے متعلق یہ کہا ہے کہ:

> ''عورتوں کی تعلیم کو صرف محدود طریقے سے حاصل نہ کرنے دیں، بلکہ آزادی کے ذریعے وہ تعلیمی منازل طے کر سکتی ہیں۔ بلبل کو باغ کی بہار کی ایک جھلک دکھا کر پھر پنجرے میں بند کر دینا۔ ٹھیک اسی طرح ایک عورت

www.urduchannel.in

کو تعلیم دے کر اس آزادی سے جو فطرت نے عطا کی، مستفیض نہ کرنا ہے۔'' (ایضاً ص208)

مولانا کی سائنسی بصیرت:

ڈاکٹر سید محمود راوی ہیں کہ احمد نگر جیل میں مولانا آزاد کو اکثر عرب شاعر ابوالاعلیٰ معرّی کا ایک شعر بار ہا گنگناتے سنا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''ہم ان لوگوں میں سے ہیں، جن کا زندگی میں کوئی درمیانی مقام نہیں، ہمارا قدم یا تو زور و کمال پر ہوتا ہے یا پھر قبر ہی ہمارا مسکن و ماوٰی ہوتی ہے۔'' اگر اشعار کے انتخاب سے کسی شخصیت کے معنوی امتیاز کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے تو مذکورہ بالا شعر کے مفہوم سے مولانا کے ذہن کی امتیازی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ کئی لحاظ سے منفرد اور اپنی مثال آپ تھے۔ بصیرت کی دوررسی، فکر و نظر کی مسلسل بیداری، زبان و بیان پر بے پناہ قدرت، مذہب، ادب اور سائنس سے بھی مکمل آگہی مولانا کو قدرت نے فیاضی کے ساتھ ودیعت کی تھی۔

مولانا نے تیرہ چودہ سال کی عمر سے ہی اسلامی علوم اور فلسفے کی تعلیم کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی، علم کیمیاء اور علم فلکیات، منطق اور طب کی تعلیم بھی حاصل کر لی تھی۔ صرف چودہ سال کی عمر میں مولانا ''مرقع عالم'' کے بزرگ ایڈیٹر محمد علی کو مشورہ دیتے تھے کہ وہ اپنے رسالوں میں قسط وار ناولوں کی اشاعت کے بجائے سائنسی اور علمی مضامین کو ترجیح دیں۔ اوائل عمری سے مولانا نے سرسید احمد خان کے علمی و سائنسی مضامین کا اثر قبول کیا۔ یہیں سے ان کی سائنسی بصیرت کا در وا ہوا۔ اس ذہنی تبدیلی کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ:

> ''سرسید کی تصنیفات کے مطالعے نے علوم جدیدہ سے نا صرف آشنا کیا بلکہ شائق و گرویدہ بنا دیا۔ اب وہ دن تھا کہ عقائد و افکار میں اک طوفان اٹھ چکا تھا میری زندگی اب چل نہیں رہی تھی، بہہ رہی تھی۔ تمام قدیم چیزیں حقیر ہو چکی تھیں۔ علوم جدیدہ کی ترکیب سرسید مرحوم کی ہے۔ میں قلب و ذہن سے ان کی طرف مائل ہوا۔ اب شوق ہوا کہ

www.urduchannel.in

اردو، فارسی، عربی میں نئے علوم کی جتنی کتابیں ترجمہ ہوئیں ہیں انہیں جمع کیا جائے۔مولوی حالی مرحوم کی کتاب جیالوجی، جو مصر کے اک عربی ترجمہ کا ترجمہ ہے، پیرزادہ محمد حسین کی منطق استقرائی اور ٹینی سن کا لیکچر کا ترجمہ لارڈ بیکن کی سوانح عمری، سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کے بعض تراجم، مولوی ذکاءاللہ کے تراجم لکھنو چرچ مشن کے تراجم، اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلیمی اور علمی کی تمام کتابیں منگوائیں اور شوق سے دیکھی مگر ان سے طبیعت کو سیری نہ ہوئی اب مصر و شام کی کتابوں کا شوق ہوا۔''

(مولانا آزاد کی سائنسی بصیرت۔وہاب قیصر،ص نمبر 13)

مولانا نے خدا بخش نامی تاجر کتب سے جدید علم ہیئت اور انگریزی کی تمام مطبوعات وتراجم مثلاً مقاصد علوم، جامع بیان ریاضی، رسالہ در علم فزکس اور رہنمائے علوم منگوائے۔مولانا آزاد پر سائنسی علوم کا مطالعہ اس قدر اثر انداز ہوا کہ ان کی اکثر تحریروں میں سائنسی اصولوں کی آمیزش نظر آنے لگی۔'خدنگ نظر' کے بیشتر شماروں میں مولانا کے مضامین سائنسی درک کے ساتھ شائع ہوئے x.rays مولانا کا پہلا اردو سائنسی مضمون تھا جبکہ الندوہ میں 'یورپ میں گونگوں کی تعلیم' پر دوسری سائنسی بحث پیش ہے۔علم الافلکیات پر مولانا نے 'غرائب افلاک، عالم سماوی، البیرونی وجغرافیہ' عالم قطب جنوبی کے لئے مہم جیسی تصانیف قلم بند کیں اور جدید ٹیکنالوجی پر ہوائی جنگ، ہوائی ریل، بحری سرنگیں تار پیڑو' حیات کیا ہے؟ صفحتہ من تاریخ الاکیمیاء (اس میں آگ اور پانی کے عناصر پر بحث ہے) جیسے مضامین تحریر کئے بعد ازاں مولانا کی سائنسی بصیرت نے فطرت کے مظاہر میں زندگی کے ارتقاء کے رموز و نکات دریافت کئے، کائنات کے حقائق کو دیکھنے اور دکھانے کا اک ایسا دفتر کھولا' جس کے ہر ورق سے ہمیں معرفت اور بصیرت کے کتنے ہی نکتے ہاتھ آئے ایسی ہی بہترین تمثیلی مثالیں غبار خاطر اور تذکرہ میں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

غبار خاطر کے اک خط میں مولانا نے انیسویں صدی کے اوائل میں بخارا پر قدسیوں

www.urduchannel.in

کے محاصرہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے جنگ میں آتش فشانی کی تیکنیک سے متعلق ابن فضل اللہ اورنوبری کے حوالے سے جو تحریر کیا ہے اس میں چند سائنسی اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔

''آتش فشانی کے لئے دو طرح کی مشینیں کام میں لائی جاتی تھیں ایک تو منجیق کی قسم تھی جو پتھروں کے پھینکنے کے لئے ایجاد ہوئی تھی، دوسری ایک طرح کا آلہ کمان کی شکل کا تھا اور توپ کی بیڑیوں کی طرح زمین میں نسب کیا جاتا تھا، اس کی مار منجیق سے بھی زیادہ دور تک پہنچ سکتی تھی''۔

(غبار خاطر، خط نمبر 14 ص نمبر 149)

مولانا کی سائنسی بصیرت کے اعلیٰ نمونے جو غبار خاطر کے بیشتر صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں، جس میں علم حیاتیات سے لے کر نباتیات، طیوریات سے لے کر موسمیات تک کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ مولانا نے زندگی کی نمود، ذہن و ادراک انسانی دماغ کی نشو وارتقاء، ذہنی شخصیت اور انفرادیت کے ڈھلاو کو مختلف دلیلوں کے ساتھ پیش کیا ہے اور ماورائے محسوسات کے علاوہ ٹھوس مادہ، الیکٹرون پر مفصل بحث کی ہے کہیں موسم کے بدلنے کی کیفیات کا ذکر ملتا ہے تو کہیں زراعت کے اصول اور کیمسٹری کے حقائق جا بجا نظر آتے ہیں۔ روح نباتی اور روح حیوانی کے افعال وخواص، طیوریات پر بحث سے معلوم ہوتے ہیں اور پرندوں کی زندگی، پھولوں کے اقسام کا باریک مشاہدہ منظر عام پر آتا ہے۔ مولانا نے غبار خاطر میں گل خطمی کے اک پھول کے حوالے سے ٹپونیا، اسٹر، کارن فلاور، کوکنار، فلکس، سویٹ پیس، کلیپو پیس، سلویا، پینیزی جیسے مختلف پھولوں کی چادر بچھائی ہے۔ مولانا قرآن وحدیث کی روشنی میں فطرت وکائنات کے پردوں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں۔

وزیر تعلیم بننے کے بعد سائنسی تعلیم کی ترقی کے لیے سائنسداں شانتی سروپ بھٹناگر کی قیادت میں مولانا آزاد نے اعلیٰ تحقیقاتی ادارہ جات قائم کیے۔ ایٹمی ترقی کے علاوہ صنعت وٹیکنالوجی میں کام کرنے والے سائنسی اداروں کے لیے انڈین کونسل فار ایگریکلچرل اینڈ سائنٹیفک ریسرچ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ زراعت اور دیہی ترقی کی فلاح و بہبودی کے لیے انڈین کونسل

www.urduchannel.in

فارا یگری کلچرل ریسرچ قائم کیا گیا۔انڈین کونسل فارمیڈیکل ریسرچ کے ساتھ اعلیٰ ترین سائنسی ریسرچ کو روبہ عمل لایا گیا اور ایسے ادارے وجود میں آئے' جو اس تحقیقاتی کام کو زراعت اور صنعتی شعبوں تک لے جاسکیں۔علاوہ ازیں مولانا نے سنٹرل الیکٹرونکس انجینئر نگ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ' راجستھان کا قیام عمل میں لایا' جس کے مقاصد قابل اور معیاری الیکٹرونکس پرزوں کی تیاری' الیکٹرونکس سرکٹس کو استعمال کرتے ہوئے' ملک کی صنعتوں کی کارکردگی کو ترقی دینا تھا۔مختلف پیداوار کی اشیاء کی جانچ کے لیے معیاری الیکٹرونکس کے آلات بنانا بھی پیش نظر تھا۔اس کے علاوہ میڈیکل پروفیشنل کے لیے الیکٹرونک آلات کی ترقی اور صوتی آلات کی تیاری وغیرہ مقاصد شامل تھے۔ادارے کی بہترین کارکردگی کے لیے مولانا نے اسے درج ذیل ڈویژن میں تقسیم کیا:

1۔الیکٹرونک سرکٹس	Electronin Cercuits
2۔مواصلاتی آلات	Communication Equipment
3۔صنعتی الیکٹرونکس	Industrial Electronics
4۔الیکٹرونک پرزے	Electronic Components
5۔الیکٹرونک آلات	'ElectronicInstruments
6۔طبی آلات	Medical Appartus
7۔صوتی آڈیو آلات	Theatre and Studio Equipment

مولانا نے اپنی وزارت کے گیارہ سالہ عرصے میں سائنس کی تحقیق و ترقی اور ٹیکنیکی تعلیم کے فروغ کی راہیں متعین کیں۔مولانا کی انہی خدمات کے پیش نظر پنڈت جواہر لال نہرو نے مولانا کی وفات پر تعزیتی تقریر کرتے ہوئے بالکل صحیح کہا تھا کہ:

> ''دوسرے بھی عالم ہیں' دوسرے بھی منصف ہیں' اور بھی خطیب ہیں' لیکن مولانا آزاد میں ماضی اور حال کی عظمت یکجا موجود تھی۔وہ ماضی کے جلیل الشان افراد کے نمائندہ تھے اور مجھے ان کی یاد دلایا کرتے تھے' جو آج سے

www.urduchannel.in

کئی سو سال پہلے گزرے ہیں۔ مثلاً یورپ کی تاریخ میں نشاۃ الجدیدہ کے فریدالعصر افراد یا بعد کے زمانے کے قاموس نگار، جو انقلاب فرانس سے قبل گزرے ہیں، مردانِ عقل، مردانِ عمل، مجھے وہ عہد سلف کی عظیم صفات کی بھی یاد دلاتے تھے اور ان کے احسان و کرم کی بھی۔ ماضی کی انہی صفاتِ حمیدہ، لطف و حلاوت، عمیق علم، رواداری و تحمل اور زمانۂ حال کی محرکات کا فہم اور ان سب صفات کی ایک نادر اور بے مثل ترکیب نے مولانا آزاد کو وہ مقام بخشا تھا، جس پر وہ فائز تھے۔''

(مولانا آزاد: فکر و نظر کے زاویے۔ وہاب قیصر, MANUU)

حوالہ جاتی کتب:

تذکرہ۔ مرتبہ: مالک رام۔ ساہتیہ اکاڈمی، دہلی

غبارِ خاطر۔ مرتبہ: مالک رام ناشر: کتب خانہ خورشید یہ اردو بازار، لاہور

مولانا آزاد کی سائنسی بصیرت۔ وہاب قیصر۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مولانا آزاد: فکر و نظر کے زاویے۔ وہاب قیصر۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

ارمغانِ آزاد: مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری، مکتبہ رشیدیہ، کراچی

خطبات آزاد۔ مرتبہ، مالک رام۔ ساہتیہ اکاڈمی، دہلی

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

شناس نامہ

اسمِ گرامی : حامد اشرف چُلبل

تاریخ پیدائش: یکم/مئی ۱۹۶۶ء بمقام گلبرگہ (کرناٹک)

والدین : مولانا ڈاکٹر محمد عبدالرحیم عرف غوث میاں چلبل مرحوم،
آمینہ بی مرحومہ ومغفورہ

اہلیہ : نسرین سلطانہ، مددگار معلّمہ گلشن اطفال اردو پرائمری اسکول، نیلنگہ

اولادیں : شیخ سیف الرحمٰن، عائشہ تزئین، شیخ صارف قمران

تعلیم : ایم۔اے (گولڈ میڈلسٹ)، ایم فل، پی ایچ۔ڈی

تحقیقی مقالے: ایم فل بعنوان ''سلطنتِ خداداد کا باکمال شاعر محمد علی مہکری خانزادؔ''
پی ایچ۔ڈی بعنوان ''ڈاکٹر راہیؔ قریشی۔حیات وخدماتِ ادب
برائے یو۔جی۔سی مائنر ریسرچ پروجیکٹ، پونا
بعنوان ''علاقۂ حیدرآباد کرناٹک میں اردو غزل (آزادی کے بعد)
برائے یو۔جی۔سی میجر ریسرچ پروجیکٹ، نئی دہلی
بعنوان ''دکنی لوک گیت''

ملازمت : اسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو، مہاراشٹرا اودے گری کالج،
اودگیر ضلع لاتور
چیئر مین، بورڈ آف اسٹڈیز ان اردو، سوامی رامانند تیرتھ مراٹھواڑہ
یونیورسٹی، ناندیڑ

اداروں سے وابستگی : نائب صدر، ادارہ ادب اسلامی، شاخ اودگیر۔

www.urduchannel.in

اشاعتِ کتب : ''تزئینِ ادب'' (تحقیقی وتنقیدی مضامین) 2010
''دکنی لوک گیت'' (تحقیق) 2015
''نذیر فتح پوری کی شعری کائنات'' (تحقیق) 2015
''تجاویز'' (تحقیقیے وتنقیدیے) 2017
''دیدہ وران حامد اشرف'' 2017
مرتبین: جاگیردار عذرا شیرین، قریشی زیتون بانو

تحقیقی وادبی مضامین : قومی وبین الاقوامی موقر رسائل اور آن لائن میگزین میں تحقیقی وتنقیدی مضامین اور فسانے شائع ہوئے ہیں۔

اعزازات : گورو ٹیچر ایوارڈ (مہاراشٹرا ایجوکیشن سوسائٹی، اودگیر

مصروفیات ومشاغل : درس وتدریس، تحقیق وتنقید اور تصنیف وتالیف سے وابستگی
(12) ریسرچ اسکالرس کی رہنمائی۔
(2) کل ہند سیمینار اور مشاعروں کا انعقاد بحیثیت کنوینر
قومی وبین الاقوامی سیمینار وکانفرنس میں بحیثیت مقالہ نگار اور ریسورس پرسن شرکت۔ مختلف ادبی، مذہبی اور ثقافتی پروگرامس میں تقاریر وخطبات۔ مختلف یونیورسٹیوں میں ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کی نصابی وامتحانی کمیٹیوں سے بحیثیت رکن وابستگی

زیرِ اشاعت تصانیف : ''سلطنت خداداد کا ایک باکمال شاعر محمد علی مہکری خانزاد''
''ڈاکٹر راہی قریشی۔ حیات اور خدماتِ ادب''

خصوصی مطالعہ : علی گڑھ تحریک، شاعری اور تنقید

www.urduchannel.in

پسندیدہ ادباء وشعراء : مولانا ابوالکلام آزاد، ابن صفی، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، فیاض علی ایڈوکیٹ، سراج انور، میر تقی میر، مرزا غالب، علامہ اقبال، فیض احمد فیض، ناصر کاظمی

وطن مالوف کا پتہ : ''الرحیم'' نزد ٹیپو سلطان یونانی میڈیکل کالج، رنگ روڈ، ملت نگر، گلبرگہ 585104 (کرناٹک)

موجودہ رہائش : ''گوشۂ عافیت'' مکان نمبر 3318-2-3 نور پٹیل کالونی، شیلہال روڈ، اودگیر 413517 (مہاراشٹرا)

www.urduchannel.in

www.urduchannel.in

کوائف

اسم گرامی	:	جاگیردار عذرا شیرین
والدین	:	جاگیردار ایوب خان، جاگیردار صالحہ
تاریخ پیدائش ومقام	:	21/مارچ 1991 بمقام اودگیر ضلع لاتور
تعلیم	:	ایم۔اے (اردو) ایم۔اے (انگریزی)
		پی ایچ۔ڈی (جاری) (NET,SET,(JRF
ملازمت	:	جز وقتی لکچرر، شعبۂ اُردو، مہاراشٹرا اودے گری کالج، اودگیر
مصروفیات ومشاغل	:	درس وتدریس سے وابستہ رہنا، تحقیق وتنقید کا ذوق رکھنا۔ مذہبی تصانیف وتراجم کا مطالعہ کرنا۔ مختلف ادبی وثقافتی پروگرامس کا انعقاد کرنا اور پی۔جی طلبا وطالبات کی NET,SET امتحانات کے لیے رہنمائی کرنا
اداروں سے وابستگی:		بحیثیت رکن .G.I.O شاخ اودگیر
اعزازات :		تمغۂ امتیاز

(1) Shining Star Educational Award
by G.I.O. North Zone Maharashtra 2014

(2) Fatin Award
by G.I.O.North Zone Maharashtra 2016

مطبوعہ تصنیف	:	''دیدہ وران حامد اشرف'' 2017
تحقیقی مقالہ (جاری)	:	''اردو شاعری میں اصلاحِ معاشرہ اور قومی یکجہتی۔ حالی، اکبر اور اقبال کے حوالے سے''

www.urduchannel.in

شائع شدہ مضامین	:	ملک کے موقر ادبی رسائل و جرائد کے علاوہ آن لائن میگزین میں تحقیقی وتنقیدی مضامین کی اشاعت۔
خصوصی مطالعہ	:	تنقیدی دبستان/کلاسیکل اور جدید شاعری
پسندیدہ شعراء وادبا	:	میر تقی میر، خواجہ میر درد، مرزا غالب، مولانا حالی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، رشید احمد صدیقی
سمینارس وکانفرنس	:	مختلف قومی و بین الاقوامی سمینارس اور کانفرنس میں بحیثیت مقالہ نگار شرکت۔